اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۶ | جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ | نومبر ۲۰۲۵ء | شمارہ ۱۱

ذم المکروہات

تین باتوں کی ممانعت (قسط اول)

(فضول گفتگو، فضول سوال، فضول خرچی)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۷۵ روپے | زر سالانہ =/۹۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

ذم المکروھات

تین باتوں کی ممانعت (قسط اول)

(فضول گفتگو، فضول سوال، فضول خرچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ''ذم المکروہات'' یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ کو حافظ غوث صاحب کی کوٹھی میرٹھ میں صاحب خانہ کی درخواست پر ڈھائی گھنٹے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا جس کو حکیم مصطفی صاحب بجنوری نے ضبط فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی شب چہار شنبہ میں بعد نماز عشاء وعظ شروع ہوا تھا۔ جن میں ان تمام گناہوں کی مذمت بیان کی گئی جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں آپ نے فرمایا امراض کی دو قسمیں ہیں جسمانی اور روحانی۔ جسمانی امراض کا اثر اور تکلیف تو موت تک رہے گی پھر ختم اور مرض روحانی نام ہے ایسے گناہ کا جس کا اثر مرنے کے بعد بھی رہتا ہے پھر گناہوں کی اقسام بھی بیان فرمائیں کہ گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی ، زیادہ تر گناہوں کا ارتکاب زبان سے ہوتا ہے اس کی حفاظت کی تاکید فرتے ہوئے فضول سوال و جواب کی مذمت فرمائی انتہائی مفید وعظ ہے ادارہ سے طبع کیا جا رہا ہے لیکن طوالت کے پیشِ نظر تین قسطوں میں طبع ہوگا۔ ان شاء اللہ

خلیل احمد تھانوی

۲۵/۱۰/۱۱

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
①.........	طب سے فائدہ اٹھانے کی شرط.........	۷
②.........	خودکو مریض نہ سمجھنے والے کی مثال.........	۸
③.........	ہماری اور شریعت کی مثال.........	۸
④.........	بعض جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے نظریات.........	۹
⑤.........	عقائد باطلہ کا نقصان.........	۱۰
⑥.........	امراض کی قسمیں.........	۱۰
⑦.........	گناہوں کی قسمیں.........	۱۱
⑧.........	گناہوں کی دوسری تقسیم.........	۱۱
⑨.........	خدا تعالیٰ کی عظمت ورحمت.........	۱۲
⑩.........	امراض قلب.........	۱۴
⑪.........	دولت مندی وشرافت پر تکبر کی حقیقت.........	۱۵
⑫.........	تکبر علمی.........	۱۶
⑬.........	حسد کی حقیقت.........	۱۶
⑭.........	غِبطہ کی حقیقت.........	۱۷
⑮.........	گناہ کی حقیقت.........	۱۷
⑯.........	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقت.........	۱۸
⑰.........	قابل قدر ارشاد.........	۱۹
⑱.........	محبت کا مقتضیٰ.........	۱۹
⑲.........	خدا سے محبت کا مقتضیٰ.........	۲۰
⑳.........	غفلت کا انجام.........	۲۰
㉑.........	خوف کا فائدہ.........	۲۱
㉒.........	حقیقی نفع.........	۲۲
㉓.........	تکلیف میں اہل اللہ کا حل.........	۲۴
㉕.........	مصیبت کے وقت مطیع اور غیر مطیع کی حالت میں فرق.........	۲۴
㉖.........	پریشانی کی حقیقت.........	۲۵
㉗.........	اطمینان قلب کا ذریعہ.........	۲۶

㉘	امراء اور غرباء میں فرق	۲۷
㉙	دنیا کی حقیقت	۲۷
㉚	اسباب کی حقیقت	۲۸
㉛	فاعلِ حقیقی	۲۹
㉜	طالب خدا کا حال	۳۰
㉝	عاشقانِ خدا کا حال	۳۱
㉞	طالب خدا اور غیر طالب خدا کے ارتکاب گناہ میں فرق	۳۲
㉟	شبہ کا جواب	۳۳
㊱	سب سے بڑی مصیبت	۳۴
㊲	انداز بیان کی اہمیت وافادیت	۳۴
㊳	تین جواہر پارے	۳۵
㊴	زبان کے گناہ اور اس کا علاج	۳۶
㊵	ہمارا حال	۳۷
㊶	عظیم نعمت	۳۷
㊷	زبان کی مثال	۳۸
㊸	ادائیگی حروف میں زبان کا کردار	۳۹
㊹	زیادہ بولنے کا نقصان	۴۰
㊺	گفتگو کی اقسام	۴۱
㊻	ہماری گفتگو کا حال	۴۱
㊼	جھوٹ کا وبال	۴۲
㊽	فرشتۂ رحمت کا کام	۴۳
㊾	جھوٹ کا نقصان	۴۳
㊿	جھوٹ کی مختلف صورتیں	۴۳
51	مقدارِ نفع	۴۵
52	غیبت کا نقصان	۴۵
53	غیبت میں انہماک	۴۷
54	غیبت کی مثال اور اس کی سزا	۴۷
55	غیبت کا دنیاوی نقصان	۴۸
56	اخبار الجامعہ	۵۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبۂ ماثورہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ اما بعد!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقد قال النبی ﷺ (ان اللہ حرم علیکم .. قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال)①

طب سے فائدہ اٹھانے کی شرط

یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے اس میں بڑے کام کی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہیں۔ اس بیان سے وہ شخص فائدہ اٹھاسکتا ہے کہ جو اپنے آپ کو واقعی مریض سمجھے۔ شریعت کی تمام تعلیمات ہمارے امراض کی علاج ہیں اور معالجات ہمیشہ کام کی چیزیں ہوتی ہیں لیکن نہ ہر شخص کے لئے بلکہ مریض کے لئے اور مریض بھی جبھی فائدہ اٹھاسکتا ہے جب اپنے آپ کو مریض سمجھے دیکھ لیجئے شہر میں کیسے ہی بڑے بڑے طبیب موجود ہوں یا کسی کتب خانہ میں کیسی ہی بڑی بڑی طبی کتابیں شیخ اور جالینوس کی موجود ہوں لیکن فائدہ وہی شخص اٹھاسکتا ہے جو ان کی طرف علاج کے لئے رجوع کرے ورنہ یہ بھی خبر نہ ہوگی کہ طبیب یا کتابیں شہر میں کہاں موجود ہیں اس صورت میں اگر کوئی ایسا شخص کہ جو مریض نہیں ہے اور جس کو ان کی طرف کبھی رجوع کرنے کی② نوبت نہ آتی ہو یہ کہے کہ ہم تو نہیں جانتے کہ کوئی طبیب یا طب کی کتاب دنیا میں موجود ہے تو اس شخص کا یہ کہنا بالکل فضول ہے اس کو طبیب یا طب کی کتاب کا وجود اور اس کی قدر جب معلوم ہوتی کہ اس کو کبھی احتیاج پڑی ہوتی اور کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو کر ان کے پاس پہنچا ہوتا اس

---

① قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ حرم علیکم عقوق الامھات ووأد البنات ومن عن وھات وکرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۰۸ ② ان کو دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

وقت دیکھتا کہ ان کے پاس کیسے کیسے چٹکلے ہیں کہ ان سے صحت جیسی زائل شدہ چیز خلاف امید کتنی جلد لوٹ آئی ① اس وقت یہ کرشمہ دیکھ کر حیران رہ جاتا مگر جب کام ہی نہیں پڑا تو یہ کہنا اپنی حماقت جتانا ہے کہ طبیب یا طب کی کتاب کہیں موجود نہیں ہے۔

خود کو مریض نہ سمجھنے والے کی مثال

اور اسی کے حکم میں وہ شخص بھی ہے جو مریض تو ہے مگر اپنے آپ کو مریض نہیں سمجھتا بلکہ یہ شخص اُس پہلے شخص سے بھی زیادہ بیوقوف ہے اس کو کبھی طبیب یا طب کی کتاب سے نفع ہونے کی امید نہیں۔ پہلا شخص گو اس وقت کسی طبیب کا معتقد نہیں مگر امید ہے کہ اگر کام پڑیگا تو اس کے خیالات بدل جائیں گے اور یہ دوسرا شخص باوجود مرض جسمانی میں مبتلا ہونے کے ایک دوسرے مرض میں بھی گرفتار ہے جو مرض کے معالجہ سے مانع بھی ہے ② وہ مرض کیا ہے جہل مرکب ہے۔ اس شخص کی نسبت کبھی امید نہیں کہ طب یا طبیب سے اس کو فائدہ پہنچ سکے تو اگر یہ شخص کہے کہ دنیا میں طب اور طبیب موجود نہیں تو کس قدر افسوس کے قابل حالت ہے۔ پہلا شخص تو صرف ایسی غلطی میں مبتلاء تھا جس کی وجہ سے اس کو محقق نہ کہہ سکیں گے اس غلطی سے اس کا کوئی نقصان جسمانی وغیرہ نہ تھا۔ اور یہ دوسرا شخص ایسی غلطی میں مبتلا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ تحقیق سے بھی بہت دور ہے اور مرض جسمانی بھی اندر اندر اسکو کھا رہا ہے۔ یہ شخص اگر حکیم محمود خاں کے پہلو میں بھی بیٹھا ہو تب بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی حالت کس قدر افسوس کے قابل ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ ان دونوں شخصوں کے طب یا طبیب کے قائل نہ ہونے سے کیا طب اور طبیب کو کچھ نقصان پہنچا؟ ہرگز نہیں۔ طب اور طبیب کی شان تو جو ہے وہی ہے ہاں یہ دونوں ان کی برکات سے خود محروم ہیں۔

ہماری اور شریعت کی مثال

پس یہی مثال ہماری اور شریعت کی ہے اگر ہم قدر نہ جانیں تو شریعت کی شان میں کچھ بٹا نہیں لگتا۔ شریعت وہ چیز ہے کہ مردہ کو زندہ کرتی ہے {أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ} ③ ہاں ہماری حالت افسوس کے قابل ہے کہ ہم اس سے متمتع نہ ہوں ④

---

① صحت جیسی عمدہ چیز جو زائل ہوگئی تھی پھر مل گئی ② جو مرض کے علاج سے رکاوٹ کا باعث ہے ③ ”اور کیا وہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کردیا“ الانعام:۱۲۲ ④ فائدہ نہ اٹھائیں۔

اور ہماری مثال اُس اول شخص کی سی نہیں ہے جس کو مرض نہ ہونے کی وجہ سے طبیب اور طب سے کام نہیں پڑا اور ان کی قدر نہ جان سکا کیونکہ اس مثال میں تو وہ شخص مریض نہیں اور ہم یقیناً مریض ہیں بلکہ ہماری حالت دوسرے شخص کی سی ہے جس کے جسم میں مرض مہلک موجود ہے اور اس کے ساتھ اس کو مرض کا بھی علم نہیں اور طب یا طبیب کا بھی علم نہیں یعنی ہم کو جہل مرکب ہے۔ میں اس بیان کو طول نہیں دیتا کیونکہ یہ مسئلہ ایسا بدیہی ہے کہ اگر کسی جاہل سے بھی پوچھیں کہ کیا تم ایسے سلیم القلب ہو کہ تم کو شریعت کی ضرورت نہیں؟ تو کبھی یہ نہ کہے گا کہ میں ایسا ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ امراض کا اپنے اندر موجود ہونا مسلم ہے اس صورت میں شریعت کی قدر نہ جاننا کس بات پر مبنی ہے؟ اُسی جہل مرکب پر کیونکہ ہمارا یہ کہنا کہ ہم مریض ہیں صرف زبانی ہے اور دل میں اسکا اعتراف نہیں ہے ورنہ اگر مرض کو واقعی مرض جانتے تو اس کی دوا کی بھی تلاش ہوتی یہ ہمارا زبانی اقرار تو ایسا ہوا جیسے کوئی مریض زبان سے کہتا رہے کہ میں مریض ہوں مریض ہوں اور رات دن اس کا وظیفہ رٹتا رہے مگر طبیب کے پاس نہ جائے تو ایسے شخص کو سب بیوقوف کہیں گے یا نہیں؟ لہٰذا ہمارا زبانی اقرار تو کسی شمار میں نہیں۔ پس دل سے عدم اعتراف بھی ثابت ہے اس لئے ہماری مثال اُس دوسرے شخص کی سی ہوگئی جس کو باوجود مریض ہونے کے اپنے مرض کی خبر نہیں اور طب کا بھی قائل نہیں ہوتا بلکہ اُس کو خیالی ڈھکوسلا بتلاتا ہے آجکل کے اکثر تعلیم یافتوں کی یہی حالت ہے کہ اپنے امراض کو خود بھی جانتے نہیں اور شریعت کی بھی قدر نہیں پہچانتے بلکہ نعوذ باللہ اس کو ایک امر زائد اور خیالی باتیں سمجھتے ہیں۔

بعض جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے نظریات

یہاں تک کہ توبہ توبہ ایک شخص نے صریح لفظوں میں کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ بڑے رفارمر اور مصلح قوم اور بڑے دانشمند تھے اور میں حضور ﷺ کا تہہ دل سے معتقد ہوں رہی نبوت سو وہ صرف ایک مذہبی خیال ہے۔ صاحبو! اپنے نزدیک اس شخص نے بہت مہذب الفاظ استعمال کئے لیکن کیا الفاظ کے بدلنے سے حقیقت بدل سکتی ہے یہ الفاظ حقیقت میں نبوت کے انکار کے لئے استعمال کئے گئے ہیں میں نے ایک

ایسے ہی شخص کی نسبت فتویٰ دیا کہ یہ شخص اسلام سے خارج ہے۔ یہ حالت ان تعلیم یافتوں کی ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ باوجود مریض ہونے کے جہل مرکب میں گرفتار ہیں۔

عقائد باطلہ کا نقصان

مگر یہ اطمینان رکھئے کہ ان کے خیالات اور بکواس سے شریعت کی شان میں کچھ کمی لازم نہیں آسکتی ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ خود اس کی برکات سے محروم ہیں جیسا کہ مریض منکر طب، طب کی برکات سے محروم رہتا ہے اور اتنا فرق اور ہے کہ وہ مریض منکر طب زائد سے زائد یہ نقصان اُٹھائیگا کہ مرض اُس کے جسم کو کھالیگا اور ایک دن موت آجاویگی پھر موت کے بعد کچھ بکھیڑا باقی نہ رہے گا اور ان تعلیم یافتوں کے امراض کے ظاہر ہونے کا جب وقت آئیگا اور وہ موت کا وقت ہے تو ان کی کوئی میعاد نہ ہوگی وہ لازم ذات ہوکر چپٹیں گے اور کبھی انکا خاتمہ نہ ہوگا۔ موت بھی اُن سے چھڑا نہ سکے گی تو کس قدر افسوس کے قابل حالت ہوئی۔

شریعت کی قدر کیجئے

غرض اس بات کو یقینی سمجھئے کہ شریعت بہت قابل قدر اور ضروری چیز ہے ہاں ہم لوگ اُس کی قدر جب جان سکتے ہیں جب اپنے کو مریض سمجھیں (سمجھنے سے مراد دل سے سمجھنا ہے نہ صرف زبانی جیسا کہ بیان ہوا) دیکھئے مال کی طلب وہ شخص کرتا ہے جو اپنے آپ کو اُس کا حاجتمند سمجھے اور جو حاجتمند ہی نہ سمجھے وہ کیوں طلب کریگا یہی حالت باطنی دولت کی ہے اُس کی تلاش بھی وہی شخص کرے گا جو اپنے آپ کو اس کا حاجتمند سمجھے۔ شریعت کی ایک ایک بات اور قرآن وحدیث کا ایک ایک ٹکڑا دولتوں سے بھرا ہوا ہے ہاں طلبگار چاہئے اس حدیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے امراض ذکر فرمائے ہیں جو نہایت مہلک ہیں خدا ہم کو ایسی نظر دے جس سے ہم اپنی احتیاج اور اپنے عیبوں کو دیکھ سکیں تب اس کی قدر معلوم ہو اور جب تک کہ احتیاج نظر میں نہیں تو اس حدیث سے کیا بلکہ تمام شریعت اور قرآن وحدیث سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف فرما ہوتے ہوئے بھی بعضوں کو کچھ بھی نفع نہیں ہوا۔

امراض کی قسمیں

اب سمجھ لیجئے کہ امراض دو قسم کے ہوتے ہیں جسمانی اور روحانی جسمانی کو تو سب جانتے ہیں جس کو بیماری کہتے ہیں اور مرض روحانی نام ہے گناہ کا ان دونوں کا فرق

بھی آپ کو معلوم ہے کہ مرض جسمانی کا خاتمہ موت ہے اور مرض روحانی کا خاتمہ موت سے بھی نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی بہت عرصہ تک اور بعض کے لئے ابدالآباد تک بھی اُسکے نتائج باقی رہیں گے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مرض جسمانی کا تو موت پر خاتمہ ہے اور مرض روحانی کی ابتداء یعنی اُس کے نتائج اور تکالیف کا ظہور موت سے ہوگا دونوں میں کتنا فرق ہوا۔ کہ ایک کے لئے تو میعاد اور بہت تھوڑی سی میعاد مقرر ہے اور ایک دائمی یا بہت طول طویل ہے اس فرق کے لحاظ سے مرض روحانی کے علاج کا زیادہ ضروری ہونا بھی بہ نسبت ① مرض جسمانی کے ثابت ہوگیا یہ تو اجمالی حکم ہوا امراض روحانی کی نسبت کہ وہ امراض جسمانی سے اشد اور قابل توجہ زیادہ ہیں۔

گناہوں کی قسمیں

پھر اگر نظر کو اور عمیق کیجئے ② تو معلوم ہوگا کہ امراض روحانی یعنی گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی جیسا کہ امراض جسمانی بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہر ایک پوشیدہ۔ ظاہر کی مثال پھوڑا پھنسی ہے یا ہاتھ پیر کٹ جانا وغیرہ وغیرہ کہ یہ امراض نظر آتے ہیں اور پوشیدہ کی مثال درد سر درد شکم وغیرہ ہے کہ مریض کو تکلیف ہو رہی ہے لیکن دوسرے کو نظر نہیں آتا۔ ایسے ہی گناہ بھی دو قسم کے ہیں ایک ظاہری۔ ایک باطنی۔ ظاہری جیسے نماز نہ پڑھنا کہ لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص غیر نمازی ہے۔ اور باطنی جیسے حسد کہ ظاہر میں آدمی نماز روزہ سب کچھ کرتا ہے مگر باطن میں مرض موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ مرض ظاہری سے یہ دوسری قسم جس کا نام مرض باطنی رکھا گیا ہے اشد ہے ③ کیونکہ امراض باطنی بمنزلہ جڑوں کے ہوتے ہیں اور امراض ظاہری بمنزلہ شاخوں کے جن میں ایک جڑ بہت سی شاخوں کے لئے اصل ہوتی ہے اس کا علاج بہ نسبت امراض ظاہری کے زیادہ ضروری ہوا۔

گناہوں کی دوسری تقسیم

نیز ایک تقسیم اور ہے کہ بعضے گناہ ایسے ہیں جو مسلم ہیں ④ اور اکثر لوگ ان کو گناہ جانتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ ان کو ہم لوگ گناہ کی فہرست میں داخل ہی نہیں سمجھتے اول کی مثال جُوا ہے کہ ہر شخص اس کو گناہ سمجھتا ہے اگرچہ اس میں مبتلا بھی ہو اور دوسرے

---

① مرض جسمانی سے زیادہ سخت ہے ② گہری نظر سے دیکھئے ③ زیادہ سخت ہے ④ جن کو سب گناہ سمجھتے ہیں

کی مثال کسب معاش وغیرہ ① کے ناجائز طریقے ہیں جن کی طرف سے بالکل غفلت ہے۔ اور کلیۃً یہ اصول قرار دے لیا ہے کہ دین اور شریعت کو کمائی میں کیا دخل اور کیا تعلق خدا تعالیٰ نے ہمارے پیچھے دنیا کی ضرورتیں لگائیں اور عقل عطا فرمادی کہ جس طرح ہوسکے اُن ضرورتوں کو پورا کرو دین تو عبادت کا نام ہے نماز روزہ پڑھتے رہو بس دیندار ہو۔ کیوں صاحبو! آلات حرب بیچ کر اور چہرہ بارود کی تجارت سے کیوں ہر شخص نفع نہیں اُٹھاتا؟ اور اُن ضرورتوں کو بدون ② لیسنس کے کیوں پورا نہیں کرتا جو اِن آلات سے پوری ہوتی ہیں۔ گورنمنٹ سے کیوں نہیں کہہ دیتا کہ آپ کی اطاعت اور حکومت ماننے کے لیے بس یہ کافی ہے کہ ہم خراج ③ دیتے ہیں آپ کو تجارت میں کیا دخل ہے فما ھو جوابکم فھو جوابنا ④ بات یہ ہے کہ گورنمنٹ کی عظمت ذہنوں میں کھب گئی ہے ⑤ اور خدا تعالیٰ کی نہیں اور گورنمنٹ کے خلاف منشا کرنے پر دست بدست ⑥ سزا تیار ہے اور خدا تعالیٰ نے مہلت دے رکھی ہے۔ سزا کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے لیکن عقلمند کا کام یہ ہے کہ جو چیز یقینی اور دلیل سے ثابت ہے اس کو مثل موجود کے سمجھے اور غفلت نہ کرے۔ بہرحال یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ شریعت اور دین کو معاش میں کیا دخل ہے۔

خدا تعالیٰ کی عظمت ورحمت

صاحبو! سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ہیں قانون الٰہی کو ہر ہر کام میں مداخلت کا حق حاصل ہے جبکہ حکام دنیا کو صرف سلطنت کے زعم پر ہر کام میں دخل دینے کا مجاز سمجھا جاتا ہے تو جس کو مالکانہ اور خانقانہ وحاکمانہ ہر طرح کا اقتدار حاصل ہو اس کو ہر کام میں مداخلت کا استحقاق نہ ہونا کیا معنی؟۔ خدا تعالیٰ کو تو ہماری جانوں پر بھی اتلاف ⑦ کا حکم دینے کا استحقاق ہے اگر ایسا کریں تو ظلم تو درکنار کسی درجہ میں بھی یہ حکم مذموم نہ ہوگا ⑧ نہ اس میں کسی کو چون وچرا کی گنجائش ہوگی۔ اسی واسطے فرمایا ہے: وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ⑨

① دولت کمانے کی ناجائز طریقے ② بغیر لائیسنس ③ ٹیکس ④ تم جو اس بات کا جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے ⑤ جم گئی ہے ⑥ فوراً سزا ملتی ہے ⑦ ہمیں ہلاک کرنے کا حکم دینے کا بھی اختیار ہے ⑧ برا ⑨ النساء:٦٦

یعنی اگر ہم ان کو حکم کرتے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو قتل کرو یا جلاوطنی اختیار کرو تو ان میں سے بجز تھوڑے آدمیوں کے کوئی اس کی تعمیل نہ کرتا۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتے تو بہتر ہوتا۔ دیکھئے کتنی تصریح کے ساتھ یہ مضمون قرآن میں موجود ہے جب حق تعالیٰ کو جانوں پر یہ حق حاصل ہے۔ تابا موال چہ رسد؟ ① ۔ لیکن یہ رحمت ہے کہ نہ جانوں کے تلف کرنے کا حکم دیا نہ مالوں کے بالکل خرچ کر دینے کا ہاں یہ ضرور ہے کہ دونوں میں آزاد بھی نہیں کر دیا بلکہ خاص خاص اوقات میں جان کو بھی اپنی راہ میں خرچ کر دینے کا کچھ مطالبہ فرمایا ہے اور مالوں کو بھی۔ مگر یہ دونوں مطالبے اتنے قلیل ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عظمت کے سامنے کچھ بھی نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ حکام دنیا کے مطالبوں کے سامنے بھی کچھ نہیں۔ دیکھئے مزدور کو کوئی ایک آنہ دیتا ہے تو کتنا کام اس سے لیتا ہے اور اس کام میں ذرا سی ابتری ہو تو جرمانہ کر دیں یا اجرت بالکل سوخت کر دیں ② اور حق تعالیٰ کا رحمت عامہ کا برتاؤ دیکھئے کہ ہمارے کاموں پر اچھے بُرے پر نظر تو درکنار وجود وعدم پر بھی نظر نہیں ہم کچھ بھی نہ کریں تو کسی نعمت میں کمی نہیں کرتے۔ واللہ! مرجانے کی بات ہے پس معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ خیال کس درجہ بیجا اور بے اصل ہے کہ خدا تعالیٰ کے قانون کو دنیاوی امور میں مداخلت کا حق نہیں مگر آج کل لوگوں نے ترقی قومی کے معنی یہی لئے ہیں کہ خوب روپیہ کماؤ جس طرح بھی بن پڑے حرام وحلال کچھ مت دیکھو۔ کسب مال میں بھی یہی حالت ہے اور بذل ③ میں بھی یہی ہے کہ جہاں جی چاہے خرچ کر دو اس کی ضرورت نہیں کہ کسی سے پوچھو شادی میں بیاہ میں جس طرح جی چاہے خرچ کرو بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ نفس اور شیطان سے تو پوچھ لو اور خدا تعالیٰ کا خیال بھی نہ آنے پاوے۔

اے گر انجاں خوار دیدستی مرا ‏ ‏ زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا ④

صاحبو! تھوڑے ہی دنوں میں معلوم ہو جاوے گا کہ جی سے پوچھ پوچھ کر جو آپ نے خرچ کیا ہے وہ ہرگز کام نہیں آئیگا اور جس کا مال تھا اور اس کی بلا اجازت تم نے خرچ کیا ہے اس کو جواب دینا ہوگا۔ غرض کسب مال اور بذل مال میں بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا مگر یاد رکھئے کہ جو عند اللہ گناہ ہے وہ واقع میں گناہ ہے

① تو مال پر کیوں نہ ہوگا ② مزدوری بالکل نہ دیں ③ مال کمانے اور خرچ کرنے میں یہی حال ہے ④ ''انہوں نے میری قدر نہ کی اس لئے کہ انہوں نے مجھے سستا خریدا ہے''

آپ کے سمجھنے نہ سمجھنے سے اس کی ماہیت نہیں بدل جاتی بیان یہ تھا کہ گناہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کا گناہ ہونا معلوم نہیں بلکہ ان کے افراد پر نظر تو کیا بلکہ اُس نوع گناہ① سے بعضوں کو انکار ہے اور ان میں تمام دنیا مبتلا ہے الا ماشاء اللہ۔

امراض قلب

وہ دل کے امراض ہیں اس فن کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا دل میں کس قدر گناہ ہوتے ہیں اور یہ تحقیق ان کتابوں کی ہی نہیں بلکہ اُن میں قرآن و حدیث سے مستنبط کر کے ان کو درج کیا گیا ہے جیسے فقہ میں ظاہری احکام درج کئے گئے ہیں کہ وہ فقہ کی ایجاد نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے نکال کر ایک جگہ کتاب کی صورت میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ غرض قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ دل کے بھی امراض ہوتے ہیں۔ چنانچہ آیات میں تصریح ہے۔ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ② اور فَإِنَّهَا لَا تَعۡمَى ٱلۡأَبۡصَٰرُ وَلَٰكِن تَعۡمَى ٱلۡقُلُوبُ ٱلَّتِي فِي ٱلصُّدُورِ ③ وغیرہ وغیرہ صدہا نصوص میں ان کا ذکر ہے اب ٹٹول کر دیکھ لیجئے کہ ہزار میں سے کتنے آدمی ان امراض کو جانتے ہیں اور کتنے ان کا علاج کرتے ہیں۔ اچھے اچھے ظاہری پارسا④ اور عابد ہیں مگر دل کے مریض ہیں اور ان کا ایسا سخت مرض ہے جس نے ان کی پارسائی کو اندر ہی اندر غارت کر دیا ہے حدیث میں آیا ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے لکڑی کو آگ پھر اگر کسی پارسا کے قلب میں حسد موجود ہے تو بتائیے کہ اس کی پارسائی کس شمار میں ہے؟ ⑤۔ اگر بھٹی میں ہزاروں لکڑیاں بھری جائیں لیکن ساتھ ہی اُس میں آگ بھی موجود ہو تو انجام یہ ہوگا کہ ایک لکڑی بھی نہیں رہے گی اسی طرح یہ پارسا صاحب جس وقت دنیا سے جائیں گے اپنے نزدیک تو بہت سی لکڑیاں جمع کر گئے ہوں گے لیکن وہاں جا کر معلوم ہوگا کہ آگ اُن کو جلا بھی چکی اور راکھ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں۔ ہماری طاعات پر جو ثمرات اور نورانیت مرتب نہیں ہوتی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اول تو طاعات ہی تعلیم شرعی کے موافق نہیں ہوتے اور اگر ہوں بھی تب بھی کوئی ثمرہ اس واسطے نہیں ہوتا کہ ظاہر میں تو طاعات ہیں

① گناہوں کی اس قسم ہی کا بعض نے انکار کیا ہے ② ان کے دلوں میں مرض ہے ③ ’’پس بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں‘‘ الحج: ۴۶ ④ نیک وعبادت گذار ⑤ اس کی نیکی کس کام کی

اور باطن میں اُن کو ایک فنا کرنے والا مادہ بھی موجود ہے گویا ہم کوئلہ یا لکڑی کا ایک انبار جمع کررہے ہیں اور خوش ہیں کہ جاڑوں میں ① یہ کام دینگے لیکن اُس کے اندر ایک چنگاری بھی آگ کی چھوڑ دی ہے کہ ساتھ کے ساتھ ان کو فنا بھی کرتی جاتی ہے ہم لکڑی ڈالتے جاتے ہیں مگر وہ انبار اوپر کو آتا ہوا دکھائی نہیں دیتا پھر یہ شکایت کرتے ہیں کہ کیسی لکڑیاں ہیں۔ صاحبو! پہلے آگ کو بجھاؤ پھر لکڑی جمع کرو دیکھو کتنے جلدی ڈھیر نظر آتا ہے۔ یہ ہے اصلی مجاہدات جس سے اس چنگاری کو بجھایا جاتا ہے جو طاعات کو فنا کررہی ہے۔

دولت مندی و شرافت پر تکبر کی حقیقت

غرض بعض امراض خفی ہیں جو اندر ہی اندر قلب کو کھارہی ہیں مثلاً کسی کے قلب میں تکبر ہے جو شخص دولتمند ہے وہ مفلس سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے جس کو شرافت نسبی حاصل ہے وہ اپنے آپ کو شریف اور دوسرے کو رذیل سمجھتا ہے حالانکہ یہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے عقل کے تو اس واسطے خلاف ہے کہ دولت آنے جانے والی چیز ہے آج ہے تو کل نہیں پھر ایسی چیز پر کیا اترانا نیز دولت ایسی چیز ہے کہ کسی کے اختیار سے حاصل نہیں ہوتی اور آپ اس سے تعجب نہ کریں۔ مختصر بیان اسکا یہ ہے کہ جن لوگوں کو آپ دولتمند دیکھتے ہیں اور خیال یہ ہے کہ انہوں نے دولت اپنے اختیار اور تدبیر کے زور سے حاصل کی ہے اُن سے وہ تدبیریں مفصل پوچھ کر آپ بھی اختیار کیجئے پھر میں دیکھوں کہ آپ بھی ان کے برابر دولتمند ہوجاوینگے یا نہیں اگر ایسا ہوتا تو ہر شخص دولتمند بنجاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ دولتمند بننا اختیاری نہیں اور دوسرے کا عطیہ ہے اُس پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کیا معنی؟ ایسے ہی شرافت نسبی اختیاری نہیں یہ کام آباء واجداد کا تھا جنہوں نے نسل کو محفوظ رکھا کہ تم کو یہ شرف حاصل ہوگیا تمہارے اختیار کو اس میں کیا دخل؟ اور جو شخص شرافت نسبی نہیں رکھتا اُس نے اپنے اختیار سے اس شرف کو کب کھویا ہے تو اس پر جرم لگانا یہ کونسی عقل کا حکم ہے اور رہی نقل سو صاف موجود ہے وَّيُحِبُّونَ أَن يُحۡمَدُواْ بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُواْ فَلَا تَحۡسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٖ مِّنَ ٱلۡعَذَابِ ② اس آیت میں ایک بری حالت کا بیان ہے وہ یہ کہ آدمی اُس بات پر تعریف کا خواہاں ہو جو اس نے

① سردیوں ② ال عمران:۱۸۸

اپنے اختیار سے نہیں کی نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو عذاب سے بچا ہوا نہ سمجھو بلکہ ان کے لئے سخت عذاب ہے دیکھ لیجئے دولتمندی اور شرافت پر تکبر کی یہ حقیقت ہے پھر یہ دیکھئے کہ اس مرض سے کتنے آدمی خالی ہیں کوئی گروہ بھی خالی نہیں۔

تکبر علمی

چنانچہ ہم طالب علم لوگ دولتمند اور دنیادار شرفاء کو اس مرض میں مبتلا سمجھتے ہیں حالانکہ خود بھی اس سے بری نہیں تکبر کچھ دولت اور شرافت ہی پر نہیں ہوتا۔ علم پر بھی ہوسکتا ہے ہم لوگ اس تکبر میں مبتلا ہیں کہ ہم کو اپنے علم پر ناز ہے اور یہ اُس تکبر سے بدرجہا بدتر ہے اس واسطے کہ دنیادار لوگ اپنے عیوب پر بھی نظر رکھتے ہیں گو اجمالاً ہی ہو کیونکہ جب کبھی کسی دنیادار سے کہا جاوے کہ تم میں فلاں فلاں عیب ہیں تو اقرار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں بھائی ہم میں تو صدہا عیب ہیں خدا اصلاح کرے بخلاف علماء کے کہ انکو خود تو اپنے عیوب پر نظر ہوتی ہی نہیں اگر بتلایا بھی جاوے تب بھی اس عیب کو عیب نہ مانیں گے تاویل سے کھینچ تان کر اس عیب کو ہنر بنادینگے اور اس بتلانے والے پر اُلٹا کوئی عیب لگادینگے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ مگر دنیاداروں کا تکبر جہل تھا تو وہ جہل بسیط تھا اور یہ جہل مرکب ہے ① اب بتلایئے کون گروہ اس مرض سے خالی ہوا۔

حسد کی حقیقت

بعضے دلوں میں حسد موجود ہے چونکہ اس کی ماہیت ② معلوم ہے نہیں (اور معلوم اس واسطے نہیں کہ کبھی اس کے معلوم کرنے کا خیال نہیں ہوا) اس واسطے ہر شخص سمجھتا ہے کہ میں اس مرض سے پاک ہوں دلوں کو ٹٹول کر دیکھئے دوسرے شخص کی مصیبت دیکھ کر دل باغ باغ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ کم وبیش اس کا اثر عام قلوب میں موجود ہے الا ماشاء اللہ ③۔ یہی حسد ہے اور یہ وہ مرض ہے کہ نیکیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے حدیث شریف میں تو مؤمن کی یہ شان آئی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کے واسطے وہی بات چاہے جو اپنے واسطے چاہتا ہو تو جب دوسرے کو مصیبت میں دیکھا ایمان کی شان یہ تھی کہ دیکھنے والے کو وہی تکلیف ہوتی جو اس مصیبت زدہ کو ہے حالانکہ اس کا بالکل برعکس ہے

---

① ان کی جہالت تو چھوٹی تھی ہماری جہالت تو ان سے بھی بڑھ کر ہے ② حقیقت ③ شاید ہی کوئی اس سے بچا ہو

اس کی مصیبت سے دل کو خوشی ہوتی ہے اور اگر خوشی بھی نہیں ہوتی تو کم سے کم یہ بات تو ہر شخص میں ہے کہ دوسرے کی مصیبت کی پرواہ بھی نہیں ہوتی یہ بھی ضعف ایمان ہے۔ حسد بہت مخفی مرض ہے ① بہت ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے اور حسد اسی کا نام نہیں کہ دوسرے کی مصیبت دیکھ کر جی خوش ہو بلکہ یہ بھی حسد ہے کہ دوسرے کی چیز دیکھ کر جی خوش ہو بلکہ یہ بھی حسد ہے کہ دوسرے کی چیز دیکھ کر اس کے پاس سے دیکھ کر اس کے پاس سے زوال کی خواہش ہو دیکھئے ہم لوگوں کی یہ حالت ہے یا نہیں کہ کسی کا کوئی سامان دیکھ لیا یا گھوڑا دیکھ لیا یا زیور دیکھ لیا تو خواہش ہوتی ہے کہ یہی بعینہ ہمارے پاس آجائے اس کے معنی کیا ہیں۔ سوائے اس کے کہ اُس سے چھن جائے۔ ورنہ اس کے بعینہ منتقل ہونے کی خواہش کیوں ہے۔

غبطہ کی حقیقت

اور اگر یہ نہ ہو تو حب مال تو جبلی چیز ہے اگر اس کو دوسرے کا زیور سامان دیکھ کر اس جبلی عادت کو ہیجان ہوتا ہو کہ مجھے بھی ایسا ہی مل جائے نہ یہ کہ یہی آجائے اس کا کچھ ڈر نہیں اس کو غبطہ کہتے ہیں کہ دوسرے کی اچھی حالت کی تمنا کرے کہ یا اللہ! ہم کو بھی ایسی حالت نصیب فرما اور یہ کچھ گناہ نہیں۔ بلکہ کہیں مباح کہیں مستحب ہے مگر ہم لوگوں کو اتنی تمیز کہاں کہ غبطہ اور حسد کو الگ الگ پہچانیں۔

گناہ کی حقیقت

آپ نے دیکھ لیا کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو لوگ جانتے بھی نہیں اور یہ عجیب غلطی ہے میں ایک موٹی سی بات پوچھتا ہوں کہ گناہ کا گناہ ہونا کیسے معلوم ہوا؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کے منع کرنے سے اور رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے اس کے سوا اور کوئی بھی حقیقت گناہ کی ہے جب اس کی حقیقت پر اتفاق ہے تو اس کے افراد اور مصادیق میں اختلاف کیوں ہو جاتا ہے؟۔ اب حدیث اور قرآن کو دیکھ لیجئے کہ حسد اور تکبر اور ریا اور تفاخر وغیرہ سے منع کیا ہے یا نہیں؟ تمام قرآن وحدیث ان کی ممانعت سے بھرے پڑے ہیں پھر اس کے کیا معنی کہ گناہ کی حقیقت تو تسلیم کر لی جاوے کہ جس کو خدا اور

① پوشیدہ مرض ہے

رسول منع کریں وہ گناہ ہے اور جب اُس کے افراد دکھلائے جاویں کہ حسد بھی اُس میں داخل ہے تکبر بھی اس میں شامل ہے ریا بھی اس کا شعبہ ہے تو اس کے گناہ ہونے میں تامل کیا جاوے ①۔ صاحبو! ان گناہوں کو حقیر نہ سمجھئے گا یہ دوزخ کی آگ ہیں جن کی صورت اس وقت بدل گئی ہے دنیا ختم ہوجاتے ہی یہ اصلی صورت پر آجاوینگے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ہماری غفلت یا تاویلیں کچھ کارآمد ہوسکتی ہیں یا نہیں؟۔ خدا تعالیٰ کے سامنے تو بات بنانا کیسے ممکن ہے؟ دنیا کے حاکم کے سامنے بھی بات بنانے سے جرم نہیں ٹلتا۔ اتنے بیان سے بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ ہم ان کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ جب یہ بات ذہن میں آجائیگی تو ہم اپنے آپ کو سمجھیں گے۔ اگر ان امراض کا بیان ہوگا تو دل میں وقعت ہوگی اور اس بیان سے فائدہ اٹھایا جاسکے گا اور علاج کی طرف توجہ ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت

اس حدیث میں بعضے ایسے ہی امراض کا بیان ہے جن کو مرض نہیں سمجھا جاتا اگر آپ کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح آگئی ہے کہ ہم میں کچھ امراض غیر محسوس بھی ہیں تو آپ کو اس حدیث کی قدر ہوگی اور ان امراض کے بیان کو ان امراض کے بیان سے جن کا مرض ہونا آپ کو خود بھی معلوم ہے زیادہ اہم سمجھیں گے اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک زکام کا مریض کسی ماہر طبیب کے پاس پہنچے اور وہ طبیب زکام کا نسخہ لکھنے کے ساتھ یہ بھی کہہ دے کہ تمہارا خون بھی بگڑ گیا ہے ② اس کا خیال رکھو تو وہ مریض کس قدر ممنون ہوگا کہ طبیب صاحب کیسے مہربان ہیں اور ان کو مجھ سے کوئی خاص خصوصیت ہے کہ وہ مرض بتلادیا جس کا مجھے خیال بھی نہ تھا چند روز اگر مجھے معلوم نہ ہوتا تو اس کو استحکام ③ ہوجاتا اور پھر علاج نہ ہوسکتا اسی طرح ہمارے مشفق طبیب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز روزہ اور ظاہری احکام کے ساتھ باطنی امراض کا بھی ذکر فرمایا ہے تو یہ کس درجہ شفقت ہوئی کہ ہم کو ان امراض سے بھی بچالیا جن کی ہم کو خبر بھی نہ ہوتی اندر ہی اندر وہ ہمارے ایمان کو کھالیتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (ان اللہ کرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال) اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہارے لئے ناپسند فرمایا ہے قیل وقال ④ کو اور کثرت

---

① اس کے گناہ ہونے میں تردد ہو ② تمہارا خون خراب ہوگیا ہے یعنی اس میں بھی بلڈ کینسر وغیرہ کی قسم کی بیماری کا خطرہ ہے ③ یہ مرض جڑ پکڑ لیتا ④ فضول بحثیں کرنے کو۔

سوال کو اور مال کے ضائع کرنے کو اس کی شرح آگے بتاؤں گا۔

قابل قدر ارشاد

اول یہ سمجھو کہ مسلمان کو کسی بات سے منع کرنے کے لیے یہ لفظ کیا اثر رکھتا ہے کہ یہ کام حق تعالیٰ کو ناپسند ہے اس کی قدر اس شخص کو معلوم ہوتی ہے جس کا دل کسی سے پھنس چکا ہو① اگر ایک مردار کسبی② سے بھی تعلق ہو تو اس بات کے لئے جان و مال خرچ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ کوئی بات ہماری اس کے پسند آجائے اور وہ التفات سے ایک نظر کرلے اور اگر کسی کام کی یا کسی چیز کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اس کو چنداں پسند نہیں ہے تو کبھی اُس کے پاس بھی نہ جائیں اور وہ کام یا وہ چیز خاک کی برابر بھی نظر میں نہ رہے۔

چو در چشم شاہد نیاید زرت　　　زرد خاک یکساں نماید برت③

اور اگر کسی کام کی نسبت یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ اُسکو ناپسند ہے اور اس سے اس کو چڑ ہے تو اس کی نسبت میں کونسا لفظ کہوں آپ خود سمجھ لیجئے۔ اور عشق تو بڑی چیز ہے کسی معمولی شناسا اور ملنے والے کے پاس بھی کوئی چیز لے جانا چاہیں اور یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ مہدی الیہ④ کو ناپسند ہے تو اُس چیز کا کبھی نام بھی نہ لیں۔ خدا تعالیٰ سے مسلمان کو وہ تعلق ہے جو کسی سے بھی نہیں ہو سکتا پھر وہ شخص کیسا مسلمان ہے جس کو وہ کام جس کو اللہ میاں نے ناپسند فرمایا ہے ناپسند نہ ہو؟۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اللہ میاں سے عشق کا تعلق تو کہاں اتنا تعلق بھی نہیں جتنا شناسا سے ہوا کرتا ہے۔

محبت کا مقتضٰی

دیکھئے بچوں سے محبت ہوتی ہے تو ان کو سو طریقوں سے راضی کرتے ہیں طرح طرح کے کھانے اُن کے سامنے رکھتے ہیں ان کی لایعنی ضدیں پوری کرتے ہیں اقوال میں افعال میں ان کے ساتھ بچے بن جاتے ہیں اور ایسی بیہودہ حرکات کرتے ہیں جن کو نقل کرتے بھی شرم آتی ہے اپنی فصیح زبان چھوڑ کر ان ہی جیسے ٹوٹے پھوٹے الفاظ اُن کے سامنے خود بھی بولتے ہیں وضع ان ہی کی سی اختیار کرتے ہیں واقف سے ناواقف

---

① جس کو کسی سے عشق ہو جائے ② فاحشہ عورت سے بھی عشق ہو جائے تو ③ ”جب محبوب کی نظر میں مال و دولت کی کوئی وقعت نہیں تو مال و دولت خس و دولت خاشاک ایک سے ہیں“ ④ جس کو تحفہ دینا ہے۔

بنتے ہیں منہ پر ہاتھ رکھتے ہیں آنکھیں میچتے ہیں کہ دیکھیں کون آتا ہے۔ کئی کئی نام اُن کے بے معنی اور مہمل رکھتے ہیں کبھی بُدھو کہتے ہیں کچھ کہتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیار کا نام ہے ان کے راضی کرنے کے واسطے اقوال وافعال میں ان کی مجانست اختیار کی جاتی ہے تاکہ مجانست ① سے ان کو میلان وانبساط ہو اور اگر یہ معلوم ہوجاوے کہ بچے کو یہ چیز ناپسند ہے تو چاہے واقع میں کیسی ہی اچھی ہو اس کو نہ خریدیں گے یہ ایک ذراسی محبت کے آثار ہیں۔

خدا سے محبت کا مقتضیٰ

پھر اللہ میاں کی نسبت کیا خیال ہے کیونکہ مسلمانوں کو کسی سے بھی اتنا تعلق نہیں ہے جتنا حق تعالیٰ سے ہے: {وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ} ② تو جس چیز کی نسبت یہ معلوم ہوجاوے کہ یہ خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے اس سے مسلمان کو کیا علاقہ ③ ہوسکتا ہے؟ میں کہتا ہوں وہ شخص کیسے چین سے صبر کرتا ہے جس کو یہ بھی خبر نہ ہو کہ اللہ میاں مجھ سے راضی ہیں یا ناراض؟ یا یہ جانتا ہو کہ اللہ میاں مجھ سے ناراض ہیں اور کیسے ممکن ہے کہ ناراض ہونے کی وجہ معلوم ہونے تک اور اس کے تدارک کرنے تک اس کو کسی کروٹ بھی چین آجائے یہ ایسی بات ہے کہ دنیا کے نزدیک مسلم اور عقلاً ایسی ثابت ہے جیسے آفتاب نمروز ④ کیونکہ دنیا بھر خدا کے وجود اور خدائی کے قائل ہے اور تمام ماوراء سے اس کو افضل اور سب کا مرجع اور مالک اور محبوب اور سب ہی کچھ مانتے ہیں پھر جب ذرا ذرا سے محبوبوں کے ساتھ وہ برتاؤ ہے جو اوپر عرض کیا گیا تو خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا ہونا چاہئے کس قدر کھلی ہوئی بات ہے۔

غفلت کا انجام

مگر قدرت خدا ہے کہ ایک چیز دنیا میں ایسی بھی ہے جو ایسی بدیہی اور کھلی ہوئی بات پر پردہ ڈالدیتی ہے اس کا نام غفلت ہے جو ہم لوگوں کی گھٹیوں میں ① داخل ہوگئی ہے کہ کسی کام میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے یا نہیں؟ اور جب غلطی ہوجاوے تو اس کے تدارک کی فکر نہیں مولانا فرماتے ہیں:

---

① انہی کا طریقہ اختیار کرلیا جاتا ہے ② اہل ایمان اللہ سے شدید تر محبت رکھتے ہیں ③ تعلق ④ جیسے دوپہر کا چمکتا سورج ⑤ دل میں رچی ہوئی ہے۔

اے کہ صبرت نیست از فرزندوزن صبر چوں داری زرب ذوالمنن
اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں صبر چوں داری زنعم الماہدوں ①

ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ دنیا کی تو ذرا ذرا سی بات کی فکر ہے مگر حق تعالیٰ کے احکام کی مطلق پرواہ نہیں۔ سر سے پیر تک دل میں دنیا گھسی ہوئی ہے اور اس پر اعتماد کر کے ہر شخص کو بے فکری ہے اگر کوئی تعلیم یافتہ ہوتو وہ اسی پر بے فکر ہے کہ انٹرنیس پاس ہوں تحصیلداری کا امتحان دیا ہے نماز روزہ کا چاہے کبھی خیال بھی نہ آیا ہو بلکہ ضروریات دین سے بھی نابلد ہیں ② تو کیا ہے اللہ میاں ناراض ہونگے تو کیا ہوگا رزق میرا میرے ہاتھ میں ہے عورتوں کو یہ خوف تو ہوتا ہے کہ میاں ناراض ہوجاویگا یا دوسرا بیاہ کر لے گا اگرچہ اُس سے ان کو کوئی نقصان پہنچے لیکن کم از کم جی تو برا ہوتا ہے مگر اللہ میاں کی ناراضی کا کسی کو بھی خیال نہیں کیا مرد کیا، عورت، کیا بڈھے، کیا جوان، کیا خاص کیا عام الا ماشاء اللہ۔

خوف کا فائدہ

یادرکھو کہ خوف جس وقت بھی پیدا ہوتا ہے کسی نفع کے فوت ہونے کا یا کسی ضرر کے واقع ہونے کا ہوتا ہے دیکھئے اگر کوئی شخص کسی تجارت میں روپیہ لگاتے ڈرتا ہے تو اسی وجہ سے کہ خدا جانے نفع ہوگا یا نہیں یا اصل رقم بھی محفوظ رہے گی یا تلف ہوجاویگی؟۔نوکر اگر آقا سے ڈرتا ہے تو اسی وجہ سے کہ کام اگر اچھا نہ ہوگا تو ترقی نہ دیگا یا کوئی قصور کرے گا تو جرمانہ کردیگا یا برخاست کردیگا۔ یہ خوف فوت نفع یا وقوع ضرر ہی کا تو ہے عورت خاوند سے ڈرتی ہے تو اس وجہ سے کہ یا تو اس کا التفات کم ہوجاویگا یہ خوف فوت نفع کا ہے یا مار پیٹ کرے گا یہ خوف وقوع ضرر کا ہے اور یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ خوف میں شدت اور خفت اسی قدر ہوتی ہے جتنی مخوف عنہ کے اختیارات میں شدت اور خفت ہوتی ہے دیکھو جتنا خوف بادشاہ کا ہوتا ہے اتنا سپاہی کا نہیں ہوسکتا دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا بادشاہ اور سپاہی کے اختیارات میں فرق ہے اب مسلمانوں غور تو کرو کہ مخلوق کے ہاتھ میں محض برائے نام نفع وضرر ہے جب اُن سے اتنا اتنا خوف ہوتا ہے تو جس کے ہاتھ میں حقیقۃً نفع وضرر ہے اُس سے کتنا خوف ہونا چاہئے۔

① اے بندے جب تو بیوی بچوں سے علیحدہ رہنے پر صبر نہیں کرسکتا تو خدا سے علیحدگی پر تجھ کو کیسے صبر آتا ہے جب تو دنیا حقیر سے صبر نہیں کرسکتا تو منعم حقیقی سے صبر تجھ کو کس طرح آتا ہے ② ناواقف

چہ نسبت خاک را با علم پاک ①

جب ایک مخلوق کی ناراضی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جس کام سے وہ ناراض ہوتا ہے اس کے پاس جاتے ہوئے جی ڈرتا ہے تو مالک حقیقی اور قادر مطلق کی ناراضی سے خوف کا کیا نتیجہ ہونا چاہئے؟ پھر کیا ممکن ہے کہ مسلمانوں کے دل میں کوئی کام کرتے وقت یہ خوف نہ ہو کہ اللہ میاں ناراض ہو جائینگے لیکن ہماری حالت ایسی نہیں۔

حقیقی نفع

وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے دنیا ہی کے نفع اور ضرر کو نفع اور ضرر ② سمجھ رکھا ہے اور غفلت نے حقیقی نفع اور ضرر پر پردہ ڈالدیا ہے حالانکہ دنیا کا نفع کیا نفع ہے؟ ابھی ہے ابھی ندارد اگر کوئی لکھ پتی اور بادشاہ بھی ہے اور ہر طرح کا اقتدار رکھتا ہے تب بھی یہ ممکن نہیں کہ اُسے کبھی ناگوار بات پیش نہ آئے۔ غرض کسی کا عیش بھی دنیا میں عیش خالص نہیں پھر دنیا کا نفع کیا نفع ہے حقیقت میں نفع، آخرت ہی کا نفع ہے جو خالص اور دائمی ہے اور میں کہتا ہوں کہ دنیا کا نفع جو بغیر دین کے ہو وہ کچھ بھی نہیں کیونکہ اس کو تمام منافع کی جو جڑ اور غایت ہے یعنی اطمینان قلب وہ ہرگز حاصل نہیں ہوتی اور مطیع اور طالب خدا کیسا ہی تکلیف میں ہو مگر اطمینان قلب اس کو ہر حال میں رہتا ہے کیونکہ اُس کا اطمینان عیش میں بھی اُس چیز پر نہیں تھا جس کو اہل دنیا کے نزدیک عیش سمجھا جاتا ہے بلکہ عطاء خداوندی پر اعتماد تھا اس وجہ سے خوش تھا کہ خداوند تعالیٰ نے ایک چیز مجھ کو دی ہے اور عطاء خداوندی مصیبت کی حالت میں بھی بجنسہ موجود ہے صرف اس کا متعلق بدل گیا ہے یہ ایسا ہے جیسے ایک بڑا ذی شان میزبان ایک وقت میں کسی مہمان کے سامنے پلاؤ رکھے اور ایک وقت میٹھے چاول تو چونکہ دونوں کھانے اس کو محبت اور عزت کے ساتھ عطا ہوئے ہیں برابر ہیں یہ بھی ضیافت ہے ③ اور وہ بھی ضیافت ہے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایک وقت پلاؤ دینے کے بعد جو دوسرے وقت پلاؤ نہیں دیا تو اس کی اہانت ہوئی بلکہ اس کو زیادہ اچھا سمجھتے ہیں اور مہمان بھی اس کو زیادہ پسند کرتا ہے اور بہت زیادہ عزت کی بات سمجھتا ہے کہ میزبان نے رنا رنگ کے کھانے کھلائے ایک وقت کچھ دوسرے وقت کچھ

① ''ادنیٰ کو اعلیٰ سے کیا نسبت'' ② دنیا کے نفع نقصان کو نفع نقصان سمجھا ہوا ہے ③ مہمانی اور دعوت ہے۔

ہاں اگر کسی قرینہ سے یہ معلوم ہوجاوے کہ پلاؤ کی جگہ میٹھے چاول اسواسطے دیئے گئے ہیں کہ میزبان کشیدہ خاطر ① ہوگیا ہے اور مہمان کو پلاؤ کا اہل نہیں سمجھا تو اس وقت ڈوب مرنے کی بات ہے میٹھے چاول تو کیا اگر مشک وعنبر بھی سامنے رکھا جاوے تو زہر ہے یہی حالت مطیع اور طالب خدا کی ہے کہ مصیبت اور راحت دونوں اُس کے نزدیک عطیہ الٰہی ہیں دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں کرتا جیسا راحت میں خوش ہے اور اطمینان قلب رکھتا ہے ویسا ہی مصیبت میں خوش ہے اور اطمینان رکھتا ہے وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ

ہرچہ ازدوست میرسد نیکوست ②

تکلیف میں راحت کی وجہ

بعض اہل اللہ پر عین تکلیف کے وقت ایسا خوشی کا غلبہ ہوا کہ بے اختیار ہنس پڑے ایسے لوگوں کو تو نزع کے وقت بھی جس کو جانکنی کہتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں ہوتی اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے یہ نئی بات سی معلوم ہوتی ہوگی لیکن بالکل صحیح ہے اور یادرکھنے کی بات ہے۔ اس کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ صلحاء کو تکلیف نہیں پہنچتی یا ان کا حس باطل ہوجاتا ہے۔ نہیں ان پر مصیبتیں بھی آتی ہیں اور حس انکا باطل نہیں ہوتا بلکہ اور تیز ہوجاتا ہے اور ان کو تکلیف بھی ہوتی ہے مگر یادرکھو کہ صرف جسم کو تکلیف ہوتی ہے روح کو نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بچے کو ماں فرط محبت سے گود میں دبائے جس سے بچہ رودیتا ہے اس رونے کی وجہ ناواقفیت اور کم عقلی ہے ورنہ یہ وہ نعمت ہے کہ دوسرا دیکھنے والا جس کو یہ نعمت اب نصیب نہیں ہے کہتا ہے کہ یہ بچہ کیسا خوش قسمت ہے اور بچپن بھی کیسی نعمت ہے جس میں مادر مہربان کی گود نصیب ہوتی ہے جو اس زمانہ کے بعد کبھی نصیب نہ ہوگی یا جیسے کسی کو اس کا محبوب پیچھے سے آکر زور سے دبائے تو اول تو اس کو تکلیف ہوگی اور جب پہچان لے گا کہ دبانے والا میرا محبوب ہے تو ہرگز نہ چاہے گا کہ وہ اس سے الگ ہو بلکہ چاہے گا کہ گھنٹوں تک دبائے رہے۔ دیکھئے یہ وہی دبانا ہے جو پہچاننے سے پہلے موجب تکلیف تھا اور بعد پہچان لینے کے موجوب راحت ہے یادرکھو کہ تکلیف اسی وقت تک ہوتی ہے کہ جب تک اُسے یہ خبر نہیں ہے کہ

---

① ''رنجیدہ دل ہوگیا ہے'' ② دوست کی طرف سے جو ملے بہتر ہی ہے۔

کون تکلیف پہنچاتا ہے اور جب معرفت حاصل ہوجاتی ہے تو وہ باغ باغ ہوجاتا ہے اس وقت اس کی گویا یہ حالت ہوتی ہے ؎

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائی ہے کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائی ہے

تکلیف میں اہل اللہ کا حل

اس سے کوئی صاحب تعجب نہ کریں کیونکہ جسم کی تکلیف کو روح کی تکلیف لازم نہیں دیکھئے اس کی بہت ہی موٹی مثال یہ ہے کہ ایک شخص مریض ہے طبیب اس کو نہایت ہی کڑوی دوا بتلاتا ہے اور وہ اس کو بخوشی پی لیتا ہے قوت ذائقہ کو تکلیف ہوتی ہے اور زبان ہرگز نہیں چاہتی کہ ایسی کڑوی دوا کو چکھے مگر مریض اپنے ہی ہاتھ میں لیکر اس کو پیتا ہے۔ دیکھئے جسم کو تکلیف پہنچتی ہے لیکن بامید نفع جسم کو مجبور کرکے اس دوا کو استعمال کرلیتی ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ جسم کی تکلیف کو روح کی تکلیف لازم نہیں بس ایسے ہی اہل اللہ کی تکلیف کو سمجھ لیجئے کہ ظاہراً تکلیف ہوتی ہے لیکن روح ان کی اس وجہ سے کہ اس کو عطیہ الٰہی سمجھتی ہے بجائے تکلیف کے اُس سے راحت پاتی ہے اور اس کی تکلیف نہایت اطمینان کے ساتھ ہوتی ہے ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے بدن پر زخم ہورہے تھے جن پر مکھیاں کثرت سے لپٹی ہوئی تھیں، ایک شخص کو ان پر رحم آیا اور اس نے پنکھا لیکر مکھیاں اُڑانی شروع کیں بزرگ نے فرمایا کہ یہ کون شخص ہے جو مجھ میں اور میرے محبوب میں آکر حائل ہوگیا۔ صاحبو! ان لوگوں کو مصیبت میں بھی اس قدر لذت اور حلاوت ہوا کرتی ہے جو دوسروں کو نعمت میں بھی نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ ہم کو یہ حالت حاصل نہیں اس لئے ہم اس کے قائل ہی نہیں ان کا سا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا کرلیجئے پھر دیکھئے وہی لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ کاہے سے حاصل ہوتی ہے اطاعت اور تابعداری سے۔

مصیبت کے وقت مطیع اور غیر مطیع کی حالت میں فرق

مطیع کبھی پریشان نہیں ہوتا نہ مرنے سے گھبراتا ہے نہ مرض سے گوہائے ہائے کرتا ہے ظاہراً سارے آثار قریب قریب وہی ہوتے ہیں جو غیر مطیع پر مصیبت میں ہوتے ہیں مگر بڑا فرق ہوتا ہے غیر مطیع پر مصیبت ظاہر میں بھی ہوتی ہے اور دل میں بھی

اور مطیع کا ظاہر مصیبت میں ہوتا ہے مگر وہ دل میں باغ باغ ہوتا ہے دونوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک تو وہ درخت ہے کہ گرم ہوا کے اثر سے خشک ہوگیا اور اس کی جڑ بھی ایسی زمین میں ہے جس میں نمی کا نام نہیں شاخوں میں کچھ نمی تھی وہ بھی ہوا کے اثر سے جاتی رہی اب سوکھی لکڑی اور ایندھن کے سوا کچھ نہیں رہا اور ایک وہ درخت ہے جس کی شاخیں ہری ہیں اور نہایت شاداب زمین میں جڑ پکڑے ہوئے ہے گرم ہوا سے اس کی کچھ شاخیں مرجھا گئیں مگر جڑ اپنے حال پر ہے دو چار شاخیں مرجھائیں اور بجائے اُن کے دس شاخیں ہری بھری نکل آئیں تو ان دونوں میں کتنا فرق ہے یہی حال مطیع اور غیر مطیع کا ہے تکلیف میں غیر مطیع کا تو ظاہر و باطن سب مرجاتا ہے اور مطیع کا ظاہر مرجھاتا ہے باطن نہیں مرجھاتا وہ بحالہ شاداب رہتا ہے جس سے ظاہر بھی جلد شاداب نظر آنے لگتا ہے۔ طاعت سے رہتا ہے جس سے ظاہر بھی جلد شاداب نظر آنے لگتا ہے۔ طاعت سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور بلا طاعت ہمیشہ پریشانی رہتی ہے خواہ لکھ پتی کیوں نہ ہو لیکن جب تک دیندار نہ ہو کبھی پریشانی سے خالی نہیں ہوسکتا۔

پریشانی کی حقیقت

پریشانی کے معنی بیمار ہونا یا لُٹ جانا یا برباد ہونا ہی نہیں ہے کبھی کوئی صاحب کہیں کہ مالدار آدمی کو پریشانی کہاں ہوتی ہے مال تو ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہر کام ہوسکتا ہے جس کے پاس ایسی چیز موجود ہے اس کو پریشانی سے کیا واسطہ جس چیز کی اس کو ضرورت ہو فوراً مل جاتی ہے۔ صاحبو! پریشانی کے معنی دل کا یکسو نہ ہونا ہے یہ بات سوائے ذاکر و دیندار کے کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی اگرچہ مالدار آدمی ساری حاجتیں پوری کرسکتا ہے لیکن دل میں یکسوئی کیسے پیدا کرسکتا ہے؟ مال ساری حاجتیں پوری کرنے کا ذریعہ ہے لیکن یکسوئی کے برباد کرنے کا ذریعہ ہے اس واسطے حب مال شغل قلب ① ہی کا تو نام ہے اور شغل و فراغ ضدین میں دونوں کا جمع ہونا کیسے ممکن ہے؟۔ علاوہ ازیں مالداری کا لفظ تو خوش کن ہے اور دیکھنے میں ذرا سا لفظ ہے لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ وہ کتنے دھندوں کا مجموعہ ہے کسب مال اور حفاظت مال یہ دونوں بڑے بکھیڑے کے کام ہیں مانا

① مال کی محبت دل کے اس میں مشغول ہونے ہی کا تو نام ہے اور مشغولی اور فراغت آپس میں ضد ہیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔

کہ مال سے سارے کام دنیا کے پورے ہوسکتے ہیں۔ لیکن مال ہی کے کمانے اور حفاظت کے لئے کتنے اہتمام اور مصروفیت کی ضرورت ہے پھر یکسوئی کیسے ممکن ؟۔

اطمینان قلب کا ذریعہ

بس اگر یکسوئی ہوسکتی ہے تو صرف ذکراللہ سے ہوسکتی ہے ذکراللہ میں بالخاصہ اثر ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ ظرف کی تقدیم حصر کا فائدہ دیتی ہے مطلب یہ ہوا کہ اطمینان قلب کا ذریعہ صرف ذکراللہ ہی ہے میں بہت موٹی سی بات عرض کرتا ہوں۔ دلیل کو بہت گنجائش ہے مگر بداہت ① کے سامنے دلیل کوئی چیز نہیں چند افراد متمولین کے اور چند افراد اہل اللہ کے لیکر اُن کے حالات ملائے صاف ظاہر ہوجاویگا کہ اطمینان کس کو حاصل تھا متمولین میں صرف مالداروں کو نہ لیجئے بلکہ ان کو کہ جو مالداری کے ساتھ صاحب اختیار بھی تھے یعنی بادشاہوں کو لیجئے حکومت ایسی چیز ہے کہ وہ کام کرسکتی ہے جو مال بھی نہیں کرسکتا۔ ایک طرف دو چار بادشاہوں کے حالات رکھئے اور ایک طرف چند اولیاء اللہ کے (میں اس بیان کو طول نہیں دیتا کتابیں بھری پڑی ہیں) دونوں فریق کے قصے پڑھئے خود آپ کا قلب بول اُٹھے گا کہ میرا کہنا کہاں تک سچ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایسا تو ہوا ہے کہ سلطنت چھوڑ کر کسی نے فقیری اختیار کی ہے لیکن ایسی نظیر ایک بھی نہ ملے گی کہ فقیری چھوڑ کر کسی نے سلطنت اختیار کی ہو۔ کوئی بات تو ہے جو فقیری کو سلطنت پر ترجیح دیتی ہے (فقیری سے مراد میری واقعی فقیری ہے بھیک مانگنا نہیں بھیک منگے تو سلطنت پر تو کیا پیسہ پیسہ پر جان دیتے ہیں) دنیا کا نفع چاہے کیسا ہی بڑا معلوم ہوتا ہے لیکن جب آخرت کے نفع کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے بشرطیکہ نظر بھی صحیح ہو تو ہیچ ثابت ہوگا۔ اسی وجہ سے اس کو دیکھ کر بعض بادشاہوں نے سلطنتیں چھوڑ دی ہیں ہم لوگوں کی صرف دنیا کے نفع تک نظر محدود ہے اور اس طرف اُٹھتی ہیں اس وجہ سے اسی کو منتہائے ترقی اور غایت عروج سمجھ رکھا ہے اور جس کی نظر اس طرف اُٹھ گئی وہ اُسی کا ہوگیا۔ بتاؤ بھائی مسلمانوں یہ نفع نفع ہے یا وہ اور دنیا کا نفع تو برائے نام ہی نفع ہے اگر کسی کو تمام دنیا بھی حاصل ہوجاوے

---

① کھلی اور واضح بات کو دلیل کی ضرورت نہیں۔

تب بھی کلفت ① سے خالی نہیں ایک طرح سے چین ہے تو دس طرح سے بے چینی ہے۔

امراء اور غرباء میں فرق

اکثر غرباء امراء کو دیکھ کر حسرت کرتے ہیں کہ کاش ہم بھی ان ہی جیسے ہوتے تو بڑے آرام سے گذرتی مگر میں غرباء کو از راہ نصیحت کہتا ہوں کہ جب ایسا موقع ہو تو امراء کے دو چار افراد کو منتخب کر کے ان کے نجی حالات معلوم کیجئے صرف ان کا ظاہری ٹھاٹ اور ساز و سامان دیکھ کر رال نہ ٹپکائیے ان کے حالات اور تکلیف کے حالات خفیہ طور سے کسی طرح معلوم کیجئے ان شاء اللہ اگر آپ کو ایک تکلیف ہے تو ان کو دس تکلیفیں ثابت ہونگی اور آپ کی تکلیف چھوٹی ہے تو ان کی تکلیفیں بڑی بڑی ہوں گی کماً و کیفاً دونوں طرح ان کی تکلیفیں آپ کی تکلیفوں سے زیادہ ہوں گی جب چاہے تجربہ کر لیجئے میں اس قاعدہ کے کلیہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ممکن ہے کہ کوئی فرد امراء کا ایسا بھی ہو کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو مگر النادر کالمعدوم ② کوئی فرد ایسا نکل آتا قادح مقصود نہیں ③ علاوہ ازیں اگر ایسا بھی کوئی فرد نکلے تو اس کا عیش بھی تو فانی ضرور ہوگا اور جس عیش کا غرباء صابرین سے وعدہ ہے وہ ان شاء اللہ باقی ہے ④ اس کے سامنے عیش فانی کالعدم ⑤ ہے۔ غرض یاد رکھو کہ دنیا کا نفع کوئی نفع نہیں ہے اور نہ نقصان کوئی نقصان ہے۔ ایک ہوا ہے کہ ٹھنڈی چل گئی تو طبیعتیں خوش ہوگئیں مگر اس کے پیچھے گرم ہوا بھی ہے یا گرم چل گئی تو طبیعتیں آزردہ ہوگئیں مگر اس کے پیچھے ٹھنڈی ہوا بھی آتی ہے اسی پر کوئی شکر کر لے یا کفر

دوران بقا چو باد صحرا بگذشت   تلخی وخوشی وزشت و زیبا بگذشت ⑥

دنیا کی حقیقت

مگر یہ سب کچھ جب ہے کہ جب ہم نظر کو صحیح کر لیں اور عقل سے کام لیں کیا کوئی شخص کسی عقلمند کا کوئی ایسا مقولہ دکھا سکتا ہے جس میں اُس نے یہ کہا ہو کہ دنیا کو باقی سمجھو۔ دین اور مذہب سے قطع نظر کر کے اُن لوگوں کے اقوال دیکھئے جو حشر ونشر کے قائل بھی

---

① پریشانی ② جو چیز نایاب ہوا ایسا ہی ہے کہ گویا موجود ہی نہیں ہے ③ مقصود کے خلاف ہیں ④ ہمیشہ رہنے والا ⑤ اس کے سامنے ختم ہوجانے والے عیش کی کوئی حیثیت نہیں ⑥ زندگی کے حالات بادصباء کی طرح گذر ہی جائیں گے پریشانی ہو یا خوشی تنگ دستی ہو یا فراخی سب گذر ہی جائیں گے۔

نہ تھے ان کے اقوال میں بھی یہی ملے گا کہ دنیا چند روزہ ہے ؎

حال دنیا را پرسیدم من از فرزانہ گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانہ ①

اور

باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دورے بہ بست گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانہ ②

مگر ایک بلاء عام ہے کہ عقل اور نقل دونوں سے قطع نظر کر کے جو اٹھتا ہے دنیا ہی کا نام لیکر اٹھتا ہے اگر مقصود اہم ہے تو دنیا ہے اور غایت اعظم ہے تو دنیا ہے جب یہی منتہائے نظر ہے تو اسی کے نفع اور نقصان پر تمام کاموں کی بناء ہوگی۔ اسی کے نفع کی رجاء ہوگی③ اور اسی کے ضرر کا خوف ہوگا۔ پھر یہ خیال کسی کام میں بھی نہ آویگا کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ میاں ناراض ہوجائیں۔

اسباب کی حقیقت

صاحبو! یہ کس قدر خطرناک حالت ہے۔ دنیا کے دل میں بس جانے ہی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ اگر اسکے ظاہری اور خیالی اسباب جمع ہوگئے تو ان پر تکیہ اور بھروسہ ہوجاتا ہے انٹرینس پاس کر کے اور تحصیلداری کا امتحان دیکر بے فکر ہوجاتے ہیں کہ اب ہم کو کیا پرواہ ہے ہماری روزی ہمارے ہاتھ میں آگئی اب اگر معصیت بھی ہوگی تو کوئی کیا کریگا۔ روزی بند ہونے سے رہی ہم کو ڈگری حاصل ہے۔ حق تعالیٰ قیامت کے دن اسکا جواب دینے کیلئے فرمائیں گے لمن الملك اليوم④ اس روز اسباب کا پردہ اٹھا دیا جائیگا اور ظاہری نفع نقصان بھی کسی کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔ معتمدین علی الاسباب کو معلوم ہوجاوے گا کہ ہم کس غلطی میں تھے۔ اور وہ اسباب کچھ کارآمد ہیں یا نہیں مگر اسوقت اس غلطی کا حل ہونا کسی کام نہ آویگا ہوش کی بات تو یہ ہے کہ دار العمل میں آدمی حقیقت شناس ہوجاوے اور مغالطوں سے بچے اور جب دار الجزاء سامنے آگیا تو اب آنکھ کا کھلنا کیا کام دیگا۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اسباب پردہ ہیں ان کے پیچھے فاعل کوئی اور ہے۔

① ''مجھ عقلمند سے دنیا کی حالت پوچھتے ہو تو سنو یا خواب ہے یا ہوا یا افسانہ'' ② ''اور پھر اس شخص کے بارے میں بتاتا ہوں جو اس دنیا سے اپنا دل لگائے وہ یا تو گمراہ ہے یا اس پر جن کا اثر ہے یا دیوانہ ہے'' ③ امید ④ آج کس کی بادشاہت ہے۔

فاعل حقیقی

اگر آپ کسی کو قلم سے لکھتے ہوئے دیکھیں اور وہ یہ لکھ رہا ہو کہ میں نے ایک قتل کیا ہے تو آپ قلم کو جرم میں نہیں پکڑیں گے بلکہ جس ہاتھ میں قلم ہے اسکو بھی نہیں پکڑینگے بلکہ قلم اور ہاتھ والے کو پکڑیں گے اور قلم اور ہاتھ کے اقرار کو اُسی کا اقرار سمجھیں گے۔حالانکہ آپ کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے کہ بدون قلم اور ہاتھ کے یہ اقرار ہو گیا جب ایک ایسے شخص کو کہ جو قلم اور ہاتھ کے واسطہ کا محتاج ہے اور ان کے بغیر وہ مجبور بھی ہے کہ بدون ان کے واسطہ کے وہ یہ اقرار نہیں کر سکتا تھا آپ فاعل کہتے ہیں تو اس ذات کو جو کہ آلات کا محتاج نہیں اور بدون ① آلات کے بھی سب کچھ کر سکتا ہے فاعل کیوں نہیں کہتے اور اسکے ان آلات کو جو اُس محتاج شخص کے آلات سے گرے ہوئے درجہ میں ہیں کیونکہ وہ صدور آثار میں محتاج الیہ تھے اور یہ صدور آثار میں محتاج الیہ نہیں کیسے فاعل قرار دیتے ہیں۔اور فعل کو ان کی طرف مستقلاً کس طرح منسوب کر دیتے ہیں یہ کیسی صریح غلطی ہے۔ ہمارے یہ برتاؤ صاف بتلا رہے ہیں کہ ہم اسباب کو فاعل قرار دیتے ہیں ورنہ انٹرنیس پاس کرنے اور تحصیلداری کا امتحان دینے پر کیسے تکیہ ہو جاتا ہے اور رزق کی طرف سے ایسا اطمینان کیونکر ہو جاتا ہے جس سے معصیت ② کی جرأت ہونے لگتی ہے اگر ان کو سبب کے درجہ میں بھی رکھتے تو مسبب الاسباب ③ کی طرف سے نظر نہ ہٹتی اور اسکی عظمت ذہن سے نہ جاتی اور گو ان اسباب سے فی الجملہ اطمینان ہوتا لیکن معصیت کی تو جرأت نہ ہوتی بلکہ یہ بھی امید ہوتی کہ یہ اسباب کسی وقت موجب زیادت معرفت بن جاتے کیونکہ الانسان عبد الاحسان ④ اگر ان اسباب کو انعام الٰہی سمجھے تو شکر الٰہی کیلئے گردن جھک جاتی پھر شکر کی دولت حاصل ہوتی اور معصیت سے خوف بھی قائم رہتا اور دن بدن قرب بڑھتا جاتا اور معصیت سے ایسا ڈرتے کہ کسی دنیاوی نفع نقصان کا خیال اطاعت میں مزاحم نہ ہو سکتا اور یہ حالت ہوتی۔

بہرچہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
بہرچہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا ⑤

---

① بغیر آلات ② گناہ ③ اسباب کو پیدا کرنے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ ④ انسان بندۂ احسان ہے ⑤ ”جو چیز بھی دوست کی طرف سے آئے اس پر انکار و اقرار کے کیا معنی دوست کی طرف سے ہر چیز قبول ہے چاہے اچھی ہو یا بری

یہ دنیا کے نفع ونقصان سب اسی وقت تک سوجھتے ہیں جب تک ذکر اللہ قلب میں نہیں آیا ورنہ یہ حالت ہوجاتی ہے۔

گرشکر خواری است آنجاں کندن است① ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است

جب نظر خدا تعالیٰ کی طرف ہوتو آدمی حق تعالیٰ سے کسی حال میں بُعد کو گوارا نہیں کر سکتا۔ اس پر چاہے کتنی ہی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور اس سے پوچھا جاوے کہ یہ قبول ہیں یا حق تعالیٰ سے بُعد تو وہ یہی کہے گا۔

از فراق تلخ میگوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن②

از فراق تلخ میگوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

از فراق تلخ میگوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

طالب خدا کا حال

ہم لوگوں کو قرب کی حلاوت معلوم③ نہیں اور اس کے مقابل بُعد کی بھی تلخی معلوم نہیں④ ورنہ جس کو ان کا احساس ہوگیا ہو اس کی بوٹیاں بھی کاٹ ڈالی جائیں تب بھی وہ بُعد کا نام نہیں لے سکتا جدائی کا تو لفظ ہی بُرا ہے۔ بُعد عن اللہ⑤ تو وہ چیز ہے کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ اس سے خدا بچاوے۔ صاحبو! ذرا سے خیالی محبوب سے بھی کوئی جدائی نہیں چاہتا۔ غرض یہ تو لفظ ہی ایسا ہے کہ ہر خاص عام سے پوچھ لیجئے کہ جدائی کیسی چیز ہے اسکو کوئی بھی بھلائی سے یاد نہ کریگا۔ آپ جانتے ہیں کہ جدائی کاہے سے ہوتی ہے جُدائی نافرمانی کی بدولت ہوتی ہے پھر کیا ممکن ہے کہ جسکے دل پر چوٹ لگی ہوئی ہو وہ جدائی کو یعنی نافرمانی کو اختیار کرلے اسکی تو یہ حالت ہوتی ہے۔

اس وقت مجلس کی عجیب ہی حالت تھی کسی پر گریہ طاری تھا اور کسی پر وجد کی سی حالت تھی کوئی جھوم رہا تھا غرض تمام مجمع ہمہ تن گوش ہو رہا تھا اور گرمی کے موسم کی چاندنی رات اور کوٹھی کے اوپر کھلے ہوئے میدان کی ہوا نے اور بھی کیفیت دوبالا کردی تھی ۱۲ از جامع

① ’’خدا کے جس ذکر کی بھی توفیق ہوجائے بہتر ہے اگر اس توفیق ذکر پر شکر بھی کرے تو سونے پر سہاگہ ہوگا‘‘② ’’اپنی جدائی کی باتیں نہ کرو یہ بڑی سخت بات ہے جو چاہے کرو لیکن یہ بات نہ کرو③ قرب الٰہی کی مٹھاس کا علم نہیں④ خدا سے دوری کی کڑواہٹ کا بھی پتہ نہیں⑤ اللہ سے دوری

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود ①

نافرمانی کا وہ فرد جسکو یقیناً عصیان کہہ سکیں ② صغیرہ ہو یا کبیرہ وہ تو بہت دور ہے جس کام کی نسبت یہ شبہ بھی ہو کہ یہ موجب ناخوشی ہوسکتا ہے جو طالب خدا ہے اُسکے پاس نہیں پھٹک سکتا ③۔اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ طالب خدا اور مقربین سے گناہ ہوتا ہی نہیں۔گناہ سب سے ہوتا ہے سوا انبیاء علیہ السلام کے کوئی کثیر معصوم نہیں مگر طالب خدا اور غیر طالب خدا میں یہ فرق ہے کہ طالب خدا کو گناہ ہوتے ہی تنبہ ہو جاتا ہے۔اور بلا توبہ کئے اور معافی چاہے چین ہی نہیں آتا۔بعض وقت گناہ کی معافی کیلئے وہ اتنی مصیبتیں گوارا کر لیتا ہے کہ وہ اس ایک گناہ کا تو کیا ایسے ایسے سیکڑوں گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

عاشقانِ خدا کا حال

حضرت ماعزؓ بن مالک سے زنا ہو گیا تھا گناہ تو بمقتضائے بشریت ہو گیا اس میں تو وہ اور سب گنہگار برابر ہیں لیکن فوراً ہی تنبہ ہو گیا ④۔اس تنبہ کو سنئے ذرا اسمیں بھی تو کوئی گنہگاران کی برابری کر کے دکھلاوے لیکن کیا منہ ہے کسی کا جو اس میں برابری کر سکے یہ ان ہی کی آتش ایمانی تھی کہ رُک نہ سکی جیسے بارود ہوتی ہے کہ پہاڑ کے اندر بھی رک نہیں سکتی ذراسی بارود سے سرنگ اڑائی جاتی ہے جو وزن میں کچھ ماشوں سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن ہزاروں من کے پتھروں کو ایسا اڑا دیتی ہے جیسے روئی کے گالے اُڑتے ہیں حضرت ماعزؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنے منہ سے اپنی خطا کا اقرار کیا ایسے حیادار آدمی سے ایسے گناہ کا اظہار ہی مشکل ہے مگر وہاں سب مشکلیں آسانی تھیں وہاں تو عشق الٰہی تھا۔

مرحبا اے عشق خود سودائے ما اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما ⑤

سب جانتے ہیں کہ جہاں عشق ہے وہاں ناموس کا کیا پتہ۔خود اپنے منہ سے اقرار کیا اور ایک اقرار نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ سن کر چہرہ مبارک پھر لیا انھوں

---

① اگر سالک کے باغ دل میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے تو اس کے لیے بڑے غم کا باعث ہے ② نافرمانی کی وہ صورت جس کو یقیناً گناہ کہہ سکیں چھوٹا ہو یا بڑا ③ اس کے قریب بھی نہ جائے گا ④ فوراً غلطی کا احساس ہوا ⑤ ''سلام ہو اے عشق تو ہی ہمارا جنون ہے ہماری تمام بیماریوں کے طبیب تو ہی ہماری نخوت وتکبر اور نام وناموس طلبی کی دوا ہے تو ہی ہمارا افلاطون ہے تو ہی ہمارا جالینوس ہے''

نے دوبارہ پھر اقرار کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ مبارک پھیر لیا سہ بارہ پھر اقرار کیا حضور نے بمقتضائے شان رحمۃ للعلمین ان کو رجم ① سے بچانا چاہا تھا لیکن کیا کیجئے کہ عشق ان کی جان پر کھیل چکا تھا۔ کسی طرح تسلی نہ ہوئی سوائے اسکے کہ رجم کا حکم کیا جاوے تین دفعہ اقرار کیا پھر چوتھی دفعہ اقرار کیا اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجبور ہوئے اور رجم کا حکم دیدیا ان کے دل میں اس بات کا وسوسہ تک نہ گزرا کہ توبہ کر کے خاموش ہو جاتے توبہ تو وہ چیز ہے کہ شرک تک کو مٹا دیتی ہے زنا تو کس درجہ میں کیا یہ مسئلہ ان کو معلوم نہ تھا کہ توبہ سے ہر گناہ بڑے سے بڑا بھی معاف ہو جاتا ہے؟ ہم کو تو یہ مسئلہ روایۃً معلوم ہے صحابہؓ پر تو خود گزرا ہوا تھا جو واقعہ اپنے اوپر گزر جاتا ہے اسکا حکم آدمی کو خوب یاد رہتا ہے بخلاف سنے سنائے اور کتاب میں پڑھے ہوئے مسئلہ کے۔ حضرات صحابہؓ پہلے اسلام سے علیحدہ تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت اسلام سے مشرف ہوئے سب سے پہلا جو ان کو مسئلہ معلوم ہوا وہ یہی تھا کہ توبہ سے کفر وشرک معاف ہو گیا پھر یہ کہنے کی کہاں گنجائش ہے کہ حضرت ماعزؓ کو یہ معلوم نہ تھا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو سکتا ہے یہ ضرور معلوم تھا لیکن غلبۂ خوف خداوندی نے اسکو بھلا دیا جیسے کوئی شخص شیر کے شکار کو جائے اور بندوق اور کارتوس اور سب ہی کچھ سامان اسکے پاس ہو لیکن شیر جس وقت سامنے آتا ہے تو اسکی ہیبت تمام دماغی خیالات کو مٹا دیتی ہے ہے اور یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اسکی مدافعت ② کیلئے کیا کیا آلات میرے پاس موجود ہیں میں بضرورت کلام کو طول دینا نہیں چاہتا بس اس مثال میں اس اشکال کا جواب بخوبی موجود ہے کہ حضرت ماعزؓ نے توبہ کیوں نہ کر لی اور رجم کی بلا کیوں سر لی خوف خدا تو وہ چیز ہے کہ تمام ضابطوں کو بھلا دیتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا اور اس بندۂ خدا نے ایک گناہ کے عوض جان دیدی اب اس کام میں بھی تو وہ لوگ ان کی برابری کریں جو ان کی برابری گناہ میں کرتے ہیں جان تو بڑی چیز ہے دو چار پیسہ جرمانہ ہی کے گناہ پر دیدیں تو ہم جانیں یہ فرق ہے طالب خدا اور غیر طالب خدا کے گناہ میں۔

طالب خدا اور غیر طالب خدا کے ارتکاب گناہ میں فرق

حق تعالیٰ نے نفس و شیطان سب کے ساتھ لگایا ہے کبھی اُس کا داؤ نیک

① پتھر مار مار کر ہلاک کئے جانے سے بچانا چاہا ② اس سے بچاؤ کے لیے کیا کیا ہتھیار میرے پاس ہیں

بندوں پر بھی چل جاتا ہے لیکن طالب کے اندر نفس و شیطان کے ساتھ ذکر رحمٰن بھی لگا ہوا ہے گناہ سرزد ہوتے ہی وہ بھی حرکت میں آجاتا ہے اور بدون شیطانی اثر کے مٹائے چین نہیں لیتا چنانچہ یہ مضمون بعینہ ایک آیت میں ہے۔ إِنَّ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْ إِذَا مَسَّهُمۡ طَٰٓئِفٞ مِّنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبۡصِرُونَ ① جو لوگ اہل علم ہیں اور علم معانی سے مس ② رکھتے ہیں وہ اس آیت کے الفاظ میں غور فرمائیں کہ ''اذا'' اور ''ان'' میں فرق یہ ہے کہ ''اذا'' شرط یقینی پر آتا ہے اور ''ان'' شرط مشکوک پر ثابت ہوا کہ مس شیطان متقین کے لیے بھی یقینی الوقوع ③ ہے ایک تو یہ اور دوسرے فَإِذَا هُم مُّبۡصِرُونَ کو خیال فرمایئے وہاں تو مس فرمایا اور نتیجہ میں فرمایا مُّبۡصِرُونَ مبصرون معنی یہ ہوئے کہ متقین کی شان یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا ذرا بھی اثر ہو جائے تو فوراً ہی متنبہ ہو جاتے ہیں تو غیر متقین اور متقین میں یہ فرق ہو گیا کہ مس شیطان تو دونوں میں موجود ہے مگر متقین میں تنبہ بھی ہے اور غیر متقین میں تنبہ نہیں بلکہ مس کا لفظ بتلاتا ہے کہ متقین شیطان کے ذرا سے اثر سے بھی کامل طور پر متنبہ ہو جاتے ہیں۔ مس چھونے کو کہتے ہیں اور غیر متقین ہم جیسے چھونے سے تو کیا متنبہ ہوں گے صریح گناہ کرنے سے بھی ڈکار نہیں لیتے غرض اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نفس شیطان کے داؤں میں متقین کا آجانا بھی تعجب کی بات نہیں اسی بناء پر حضرت ماعز بن مالکؓ سے گناہ ہو گیا اس سے ان کی شان میں کوئی منقصت ④ لازم نہیں آئی بلکہ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْ کی بشارت ان کے واسطے ثابت ہے کیونکہ مس شیطان کے ساتھ ان میں فَإِذَا هُم مُّبۡصِرُونَ کا وجود بھی ہوا اور یہی شان ہے متقین کی اور ایسا تنبہ ہوا کہ گناہ کی توبہ میں بدون جان دئے چین ان کو نہ آیا حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما اٹھے کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ستر گناہگاروں پر ڈال دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے دیکھئے یہ ہے تنبہ۔

شبہ کا جواب

اور یہاں سے اس شبہ کا جواب معلوم ہو گیا کہ جب طالب خدا سب چیزوں

① ''بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں پر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے تو وہ فوراً (اللہ کو) یاد کرتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں'' الاعراف: ۲۰۱ ② علم معانی کو سمجھتے ہیں ③ شیطان متقی لوگوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے ④ ان کی فضیلت میں کمی نہیں آتی۔

سے بدتر بُعد عن الہ کو سمجھتا ہے تو اس سے معصیت کیسے ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ اس سے معصیت ایسے ہو جاتی ہے جیسے حضرت ماعزؓ سے ہوئی۔ مگر اسکی اور غیر طالب کی معصیت میں فرق بھی وہی ہے جو حضرت ماعزؓ کی مکافات میں اوران کی مکافات میں ہے۔ راز اس میں یہ ہے کہ دنیا دار الابتلاء ہے ① اور شان رحمت اور غفاریت کا ظہور صدور معصیت پر موقوف ہے ② اسواسطے معصیت ہو جاتی ہے لیکن چونکہ طالب کے دل میں نور ایمان ہے تو وہ بہت جلد بے چین ہو کر توبہ کرتا ہے اور ایسی تلخی اس کی محسوس کرتا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی بھی تلخی نہیں ہو سکتی۔

سب سے بڑی مصیبت

غرض رضامندی حق بڑی دولت ہے اور ناراضی بڑی مصیبت ہے اور محب کیلئے کسی کام کی نسبت یہ معلوم ہو جانا کہ محبوب کو یہ کام ناپسند ہے اس سے روکنے کیلئے بہت کافی ہے اور یہ لفظ وہ اثر رکھتا ہے کہ مار پیٹ اور قید اور جرمانہ اور کوئی سزا بھی وہ اثر نہیں رکھتی اس واسطے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ عنوان اختیار فرمایا ان اللہ کرہ لکم قیل وقال ③ کراہت کا ترجمہ یہی ناپسندیدگی ہے میرے بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جن باتوں سے اس حدیث میں منع فرمایا گیا ہے وہ باتیں معمولی نہیں اگرچہ منع کا عنوان ظاہراً بہت معمولی ہے کیونکہ اسکے لفظی معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے فلاں فلاں کام کو اور یہ ظاہراً بہت معمولی سی بات ہے اور اگر کوئی طالب علم اسکا ترجمہ کرنے لگے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ چیزیں مکروہ ہیں اور خشک طالب علموں کے نزدیک مکروہ کوئی بہت بری چیز نہیں لیکن وہ یاد رکھے کہ عنوان کی تبدیلی سے حقیقت کی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔

انداز بیان کی اہمیت وافادیت

مکروہ کہو یا حرام یا ناپسند سب کی حقیقت یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ چیزیں بُری ہیں۔ رہی یہ بات کہ ان میں بُرائی کتنی ہے آیا اُس درجہ کی ہے جس کو طالب

① آزمائش وامتحان گاہ ہے ② جب گناہ ہوگا تب ہی تو اللہ کی رحمت ومغفرت کا ظہور ہوگا ③ اللہ تمہارے لیے فضول بحث مباحثے کو ناپسند کرتے ہیں

علم اپنی اصطلاح میں مکروہ سمجھتے ہیں یا عام لوگ ناپسند کہتے ہیں یا اس سے زیادہ ہے۔ بلادلیل اس کی تحدید ① کر لینا یہ اپنی ایجاد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حد بیان نہیں کی تو ہم حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں اور جب تحدید نہ ہوئی تو اس لفظ کو بلا تقیید چھوڑ دینے سے سلیم الفطرۃ کی نظر میں اور بھی شدت منع کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس وقت اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے ایک شخص آٹے کی نسبت یہ کہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے کہ اس سے سننے والا بہت ڈر جائیگا اور کبھی اسکے کھانے کا قصد نہ کرے گا بخلاف اس صورت کے کہ وہ زہر کی مقدار بھی بیان کر دے کہ مثلاً تین ماشہ زہر اس میں ملا ہوا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسمیں بہت سا آٹا ملا کر استعمال کرے جس سے زہر کا اثر مغلوب اور معدوم ② ہو جائے اور مقدار بیان نہ کرنیکی صورت میں کسی طرح اسکے استعمال کرنے کی جراءت نہیں ہوسکتی اسی طرح اگر یہاں درجہ کراہت کی تحدید بیان ہوئی ہوتی کسی وقت میں ان کی جراءت ہونا ممکن تھی مثلاً جیسے وہاں زہر کی مقدار معلوم ہونے سے بہت سا آٹا ملا کر استعمال کی جرأت ہوسکتی تھی اسی طرح یہاں بھی بہت سے اعمال صالحہ کے انضمام ③ سے ایسی جرأت ہو جاتی۔ لیکن جب درجہ کراہت کی تصریح نہیں ہے تو کسی وقت میں بھی ان پر جرأت ④ نہیں ہوسکتی یہ اور بات ہے کہ ان ممنوعات کے سارے افراد کا یکساں حکم نہ ہونا دوسری دلیلوں سے معلوم ہو چکا ہے لیکن اس حدیث کا لفظ فی نفسہ اس وجہ سے بہت سخت ہے کہ اس میں درجہ کراہت کی تحدید نہیں ہے خوف رکھنے والے کیلئے تو یہ لفظ ایسا ہی سخت ہے جیسا کہ حرام اور کبیرہ کہہ دینا جیسا کہ میں نے تفصیل کیساتھ بیان کیا۔

تین جواہر پارے

غرض اس حدیث میں ان باتوں کو جنکا بیان آگے آتا ہے بہت شد و مد ⑤ کیساتھ منع فرمایا گیا ہے۔ ان کی مخالفت کو معمولی نہ سمجھئے۔ اب سنئے کہ وہ ممنوعات کیا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں (۱) قیل و قال (۲) کثرت سوال (۳) اضاعت مال، گنتی میں تین باتیں ہیں جو تعداد کے لحاظ سے تو بہت ہی کم ہیں۔ لیکن

---

① بغیر دلیل حد مقرر کرنا ② ختم ہو جائے ③ بہت سے نیک اعمال اس گناہ کے ساتھ مل جانے سے اس کے نقصان سے بچنے کا تصور ہو جاتا ④ کبھی اس کے ارتکاب کی ہمت نہیں کر سکتا ⑤ بڑی سختی کے ساتھ

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ تین جواہر ہیں جن کی قیمت بہت زیادہ ہے یا تین گر ہیں جو حکمت کے اصول ہیں کیونکہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان اور جوارح ① اور قلب کے گناہوں سے بچایا ہے یعنی ان سب کا تزکیہ فرمایا ہے اور یہ چیزیں جس قدر قیمتی ہیں ظاہر ہے اور ان میں اختلال کس قدر افسوسناک ② بات ہے چنانچہ قیل وقال وکثرت سوال کی نہی سے زبان کے گناہوں سے بچایا ہے اور اضاعت مال ③ کی نہی سے جوارح کے گناہوں سے بچایا ہے اور ان مکروہات کے منابت ومناشی چونکہ قلب میں ④ ہیں اور فساد منبت کیلئے عادۃ لازم ہے فساد نابت اسلئے ⑤ ان مکروہات سے نہی مستلزم ہوگی ان منابت سے نہی کو بھی جس کا حاصل ہے تزکیہ قلب چنانچہ ساتھ ساتھ ہر فعل کے ساتھ ان مناشی کا بھی بیان ہوگا اس طرح یہ حدیث جامع ہوگئی سب انواع تزکیہ کی اور یہی خلاصہ اور مقصود ہے میرے وعظ کا۔

زبان کے گناہ اور اس کا علاج

اب سنئے ان تینوں ممنوعات میں پہلی چیز قیل وقال ہے یہ ایک محاورہ کا لفظ ہے جسکے معنی بک بک کرنا ہیں ہماری اردو زبان میں یہی بولتے ہیں کہ قیل وقال نہ کرو یعنی بک بک مت کرو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان کے گناہوں سے ہم کو بچایا ہے جن کو ہم نے ایسا معمولی سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کوئی طبقہ بھی الا ما شاء اللہ ⑥ ان سے خالی نہیں کیا علماء کیا عوام کیا مرد کیا عورت کیا بڑے کیا چھوٹے زبان کے گناہوں میں سب ہی مبتلا ہیں حدیث کی بلاغت دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذرا سے لفظ میں سب گناہوں کا سد باب ⑦ فرما دیا اور ایسی جگہ سے پکڑا ہے کہ اسکے بعد زبان کے گناہ کا دخل ہی نہ رہے ممکن تھا کہ آپ یوں فرما دیتے ان اللہ کرہ لکم معاصی اللسان ⑧ اس سے بھی یہ مطلب ادا ہو جاتا کہ زبان کے گناہوں سے بچو لیکن آپ نے اس کو چھوڑ کر یہ لفظ اختیار فرمایا کہ زیادہ بولنے سے بچو اس میں معاصی لسان ⑨ سے روکنے کیساتھ اسکا طریقہ بھی بتلا دیا گیا کہ زبان کے گناہوں سے بچنے کا طریقہ قیل وقال کو ترک کرنا ہے

---

① اعضاء اور دل ② ان میں کوتاہی بہت ہی افسوس ناک ہے ③ مال ضائع کرنے کی ممانعت ④ ان گناہوں کا منبع اور سرچشمہ دل ہے ⑤ جو چیز جہاں سے پیدا ہوئی ہے اگر وہ خراب ہے تو یہ پیدا ہونے والی چیز بھی خراب ہوتی ہے ⑥ سوائے چند لوگوں کے ⑦ علاج ⑧ اللہ تعالیٰ تمہارے زبان کے گناہ کو ناپسند کرتا ہے ⑨ زبان کے گناہ۔

کیونکہ جب بولے ہی گا نہیں تو زبان سے گناہ کیسے ہونگے؟ اگر یوں فرماتے ان اللہ کرہ لکم معاصی اللسان تو اسمیں صرف مرض کا بیاں ہوتا علاج کا بیان نہ ہوتا پس یہ کسقدر بلاغت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک لفظ میں مرض اور دوا دونوں بتلا دیئے۔ اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی زبان کے گناہوں سے بچنا چاہے تو وہ جب ہی بچ سکتا ہے کہ زیادہ بولنا چھوڑ دے اس طرح نہیں بچ سکتا کہ صرف نا جائز کلام کو چھوڑ دے اور مباحات میں توسع ① رکھے چنانچہ تجربہ کر لیجئے کہ ایک دن ہر قسم کی باتیں کم کیجئے حتی کہ مباح باتوں سے بھی بچئے اور بے ضرورت بالکل نہ بولئے اور ایک دن مباح باتوں میں زبان کو آزادی دیدیجئے اور بڑے اہتمام کیساتھ خیال رکھئے کہ کوئی گناہ کی بات نہ ہونے پائے میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس دن گناہ کی بات ضرور ہوجاوے گی تو عمدہ طریق زبان کے گناہوں سے بچنے کا یہی ہوا جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ زیادہ باتوں ہی سے بچے۔ سبحان اللہ یہ حدیث کی بلاغت ہے ایسی جامعیت غیر نبی کے کلام میں نہیں ہوسکتی۔

ہمارا حال

اب ذرا اپنی حالت کو دیکھئے کہ ہم لوگوں کا رات دن مشغلہ یہی ہے قیل وقال زبان کو کسی وقت بھی فرصت نہیں دیتے ہر وقت بک بک میں رہتے ہیں اگر بات کرنے کا کوئی بھی موقع نہ ہو تو مقدمات یا اخباری خبریں لے کر بیٹھتے ہیں اور یہ بھی نہ ہو تو ہنسی مذاق اور فحش گوئی شروع کر دیتے ہیں۔

عظیم نعمت

زبان کی قدر ہم لوگوں کو معلوم نہیں۔ زبان حق تعالیٰ کی اسقدر بڑی نعمت ہے کہ شاید ہی کوئی نعمت اس کی برابری کر سکے اسکی قدر اس شخص سے پوچھئے جس کی زبان نہ ہو یا ہونے کے بعد جاتی رہی ہو اگر ایسے شخص سے یوں کہا جائے کہ تجھ کو زبان اس شرط پر مل جائے گی کہ سوائے اطاعت کے کسی کام میں استعمال نہ کرے تو وہ شخص بخوشی منظور کرے گا ہم کو چونکہ یہ نعمت مفت حاصل ہے اسواسطے ذرا بھی اسکی قدر نہیں اور یہ اسی نعمت کے خصوصیات میں سے ہے کہ اسکو کتنا ہی صرف کرو ختم ہی نہیں ہوتی ختم تو کیا

---

① جائز کلام کرتا رہے

ہوتی۔ سست بھی نہیں ہوتی ہاتھ پیر یا اور کسی عضو سے کام لیجئے تو کچھ عرصہ میں تھک کر رہ جائیگا لیکن زبان سے، صبح سے، شام تک اور شام سے صبح تک کام لیا جائے زبان کبھی نہیں تھکے گی گویا بے زوال نعمت ہے قاعدہ عقلی تو یہ ہے جتنی بڑی نعمت ہو اتنا ہی بڑا اسکا شکر ہو لیکن ہم لوگوں نے یہ شکر کیا کہ جس کام کیلئے اس کو پیدا کیا گیا تھا اسکی ضد میں استعمال کیا۔ زبان ذکر اللہ کے لیے اور اپنے اظہار مافی الضمیر کے لیے عطا ہوئی تھی ذکر اللہ کا تو ذکر ہی کیا اب تو زبان کو گالیوں اور ناشکریوں اور غیبتوں میں استعمال کیا جاتا ہے جو ذکر اللہ کے اضداد ہیں کیا ٹھکانا ہے اس ناشکری کا۔ افسوس زبان کے گناہوں کی طرف سے اسقدر جہل ہو گیا ہے کہ لوگ یہ سنکر تعجب کرتے ہیں کہ زبان کے بھی گناہ ہیں اور بطور تمسخر کہتے ہیں کہ اگر گم صم ہونے ① کی ضرورت ہے تو خدا نے زبان ہی کیوں دی۔

زبان کی مثال

صاحبو! میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں وہ یہ کہ جیسے زبان مافی الضمیر کے اظہار کا آلہ ہے ایسے ہی اظہار مافی الضمیر کے لئے ایک آلہ آپ کے ہاتھوں میں اپنا بنایا ہوا بھی ہے جس کا نام تار ہے جس سے ہر قسم کی بات کر سکتے ہیں اور اس میں بھی یہ صفت ہے کہ صبح سے شام تک استعمال کرنے سے بند نہیں ہوتا اب میں اُس شخص سے پوچھتا ہوں جو تار گھر میں ② بیٹھا ہوا ہے جس کے صرف اُنگلی کے اشارے پر تار کام کرتا ہے کیا اس کو جائز ہے کہ صبح سے شام تک جو چاہے بکتا رہے؟ حالانکہ بک بک کرنے کا آلہ اس سے بھی سلب ③ نہیں کیا گیا کیونکہ اسکے قابو میں ہے اور تار کی مشین سامنے کام دینے کیلئے تیار ہے لیکن اس کی ہر ہر بات کی نگرانی ہوتی ہے ظاہر میں تو وہ صرف انگلی کا اشارہ کر رہا ہے مگر وہ اشارات دوسری جگہ سب محفوظ ہو جاتے ہیں ایک وقت مقرر پر دوسری جگہ سے اسکا حساب مرتب کر کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے کہ تم نے اس مہینہ یا اس دن میں اتنے اشارات استعمال کئے ہیں جن کی قیمت مقررہ قواعد کے موافق اتنی ہوئی وہ داخل کرو۔ وہ قیمت اتنی ہوتی ہے کہ تنخواہ بھی اُس کو کافی نہیں ہوسکتی۔ بتلایئے کیا تار بابو اسکے جواب میں یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر مجھ کو گم صم کر کے بٹھانا تھا تو وہ یہ مشین کاہے کو میرے سامنے

---

① بطور مذاق اڑانے کے کہتے ہیں اگر چپ رہنے ہی کی ضرورت ہے تو زبان دی ہی کیوں ② بجلی گھر ③ چھینا نہیں گیا

لگادی ہے جو میرے اشارہ پر کام کرتی ہے، صاحبو! یہ بہت واضح مثال ہے سب جانتے ہیں کہ جس کام کیلئے تار لگایا گیا ہے اسکے سوا اس کا استعمال درست نہیں اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ اسمیں کام ہی کیا ہے ایک انگلی ہی کو تو حرکت دینا پڑتی ہے اور ایک ذرا سا لوہے کا پرزہ ہی تو چلتا ہے اس میں دو چار باتیں کرنے سے کیا نقصان ہو جاتا ہے اُسکو یہ خبر نہیں کہ ظاہر میں گو اس میں ذرا ہی سا پرزہ ہے مگر اندر کتنے آلات کام کرتے ہیں اور یہ مشین کس قیمت کی ہے اور کس لاگت اور صرفہ ① سے یہ تار لگایا گیا ہے اور کتنی صناعی ② سے بجلی بہم پہنچی ③ ہے تمہاری تو ایک انگلی ہلی مگر نہ معلوم کس قیمت کی بجلی اس ذرا سے ہلنے میں صرف ہوگئی اسی طرح زبان جس کو ہم اپنا مطیع اور بے عذر فرماں بردار سمجھتے ہیں ایسی ہی ہے جیسے تار کی مشین۔

ادائیگی حروف میں زبان کا کردار

بولنے میں تو ہم نے یہ سمجھا کہ صرف زبان ہلی اور درحقیقت بہت سے کام ہو گئے جنکے بیان کیلئے اور سمجھنے کیلئے کتابیں کی کتابیں اور بہت سے علوم اور ایک کافی وقت چاہیئے یہ زبان جو بہت ہی بے تکان حرکت کرتی ہے نہ معلوم کتنے پٹھوں سے مرکب ہے جو دماغ سے آتے ہیں پھر وہ کس خوبی اور کس ترتیب کے ساتھ حرکت کرتے ہیں کہ اُس سے ایک ایک حرف الگ الگ ادا ہو جاتا ہے۔ صرف تین حرف سے مرکب کلمہ میں زبان کے کتنے اجزاء کو انقباض اور کتنے کو انبساط ہوجاتا ہے ④ اور کتنی دفعہ زبان عرض میں بڑھتی ہے۔ اور کتنی دفعہ طول ⑤ میں اور کتنے اجزاء کو انخفاض ہوجاتا ہے اور کتنے کو ارتفاع ⑥ ۔ طب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ہر عضو کی حرکت عضلات ⑦ کی حرکت سے ہوتی ہے اور عضلات کی حرکت دماغی پٹھوں کی حرکت سے اور دماغی پٹھوں کی حرکت قوت ارادیہ کی حرکت سے ہوتی ہیں تو کسی عضو کی حرکتوں کے بعد انجام پاتی ہے سمجھ لیجئے کہ ایک حرف کے ادا کرنے میں کس قدر آلات کو حرکت ہوتی ہے پھر ایک مرکب لفظ کے بولنے میں کتنی حرکتوں کی ضرورت ہوئی ایک جملہ بولنے میں کتنی حرکتوں کی اور

---

① کتنے زیادہ پیسے خرچ کرکے ② کاریگری ③ ہم تک پہنچی ہے ④ کتنے اجزاء سکڑتے ہیں اور کتنے پھیلتے ہیں ⑤ کتنی دفعہ چوڑائی میں بڑھتی ہے کتنی دفعہ لمبائی میں ⑥ کتنے اجزاء پست ہوتے ہیں کتنے بلند ⑦ پٹھوں کی حرکت سے۔

کسی چند جملوں سے مرکب تقریر ادا کرنے میں کتنی حرکتوں کی ضرورت ہوئی؟ ذرا غور وانصاف سے کام لیجئے تار کی مشین میں تو دو چار ہی پُرزے ہونگے زبان میں نہ معلوم کتنے پُرزے اور اجزاء ہیں پھر وہ کس خوبی سے کام کرتی ہے کہ کسی جزء کی حرکت کی ترتیب میں ذرا فرق نہیں آنے پاتا اور سارے آلات اپنا اپنا کام اس پھرتی سے کر جاتے ہیں کہ لکھنے والا اسکا ساتھ نہیں دے سکتا۔ سبحان اللہ! کتنی اچھی مشین ہے ایسی مشین کی تو بڑی قدر کرنی چاہیے تھی۔

زیادہ بولنے کا نقصان

اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جیسے تار کی مشین کو حرکت دینے سے صرف پُرزے ہی حرکت نہیں کرتے بلکہ بجلی بھی خرچ ہوتی ہے ایسے زبان کو حرکت دینے میں بھی ایک بجلی خرچ ہوتی ہے جو اس بجلی سے بہت زیادہ قیمتی ہے اس بجلی کا نام نور قلب ہے، زبان سے بولنے میں قلب کی توجہ ہٹتی ہے اور فراغ قلب نہیں رہتا جو بڑے کام کی اور ضروری چیز ہے یہاں سے اس حدیث کا مطلب واضح ہوتا ہے جس میں روایۃً عن عیسی علیہ السلام آیا ہے کہ آپ نے نصیحت فرمائی کہ لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فتقسو قلوبکم ، فان قلب القاسی بعید من اللہ..... (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۴۸) یعنی سوائے ذکر اللہ کے کلام کی کثرت نہ کرو کیونکہ اس سے قلب میں قساوت ① پیدا ہوتی ہے اور قلب ② قاسی کے برابر کوئی چیز بھی حق تعالیٰ سے دور نہیں زیادہ بولنے سے نور قلب جاتا رہتا ہے بالخصوص مبتدی کیلئے تو بہت ہی مضر ③ ہے حتی کہ اس کو وعظ گوئی سے ہی منع کیا جاتا ہے حالانکہ وعظ طاعت ہے ④۔ مگر اس کو وعظ سے منع کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اسکے نور قلب میں ابھی بہت کمی ہے اگر ابھی سے صرف کیا جائے گا اور قوت علمیہ وعملیہ کی کمی سے وہ حدود ⑤ کے اندر نہ رہیگا اسلئے اور کاموں کیلئے نور باقی نہ رہے گا ہاں جب اس کو نور قلب پورا پورا حاصل ہو جائے اور اسکو علمی وعملی استحکام بھی ہو جائے تو اب اسکو وعظ گوئی کی اجازت ہے اسکی ایک بھودہ سی مثال یہ ہے کہ صغرسنی میں لڑکے کو جماع سے منع کیا جاتا ہے کیونکہ ابھی ہمیں وہ مادہ جو محرک جماع ہے بہت کم اور کمزور ہے اگر ابھی

---

① دل میں سختی پیدا ہوتی ہے ② سخت دلی ③ سلوک میں ابتدائی درجہ والے کے لیے تو بہت ہی نقصان دہ ہے ④ عبادت ⑤ علمی وعملی کمی کی بنا پر وہ حد میں نہیں رہے گا۔

سے صرف ہونے لگے گا تو پھر اسکی نشو ونما کا ہے سے ہوگی ہاں تھوڑے دنوں کے بعد وہ وقت آنے والا ہے کہ اس کو اتنا جوش ہوگا کہ روکے نہ رکے گا اور اسوقت اطباء یہ کہیں گے کہ اسوقت اس کا استفراغ نہ ہونا مخل صحت ہے ①۔ مبتدی کو وعظ گوئی سے روکنے پر بعض ناواقف اعتراض کیا کرتے ہیں۔ یہ منع عن الخیر ② ہے مگر اس مثال سے اسکا کافی وشافی حل ہو جاتا ہے یہ تو مبتدی کی حالت ہے اور منتہی کو وعظ وغیرہ سے ممانعت نہ سہی لیکن فضول گوئی اور کثرت کلام اس کو بھی مضر ہوتی ہے کیونکہ یہ کم سے کم فعل لا یعنی تو ہے ③ جس کی نسبت حدیث میں ہے ان من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ ④۔

گفتگو کی اقسام

ایک بزرگ کی حکایت ہے وہ کسی سے ملنے گئے مکان پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ گھر میں نہیں ہیں، انھوں نے پوچھا کہاں گئے ہیں ظاہر میں یہ پوچھنا کچھ بھی نہیں تھا لیکن بعد میں ان کو خیال ہوا کہ اس سوال کی ضرورت کیا تھی یہ تو فعل لا یعنی ہوا ⑤ پھر عرصہ دراز تک اس فضول سوال کی وجہ سے روتے رہے زبان کی قدر ان ہی لوگوں نے سمجھی ہے خیر یہ تو بڑوں کی باتیں ہیں جو ورع ⑥ ہے آپ تو اسکے متعلق ایک ضابطہ کا شرعی قانون سن لیجئے وہ بہت آسان ہے اس میں کچھ بھی دقت نہیں کم از کم اسکی پابندی تو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انسان جو باتیں کرتا ہے وہ تین قسم کی ہیں ایک طاعت جیسے حدیث وقرآن پڑھنا پڑھانا یا نماز پڑھنا امر بالمعروف نہی عن المنکر ہے یہ تو موجب ثواب ہیں کہیں مستحب اور کہیں سنت اور کہیں واجب اسکو سب لوگ جانتے ہیں۔ دوسری قسم مباح ہے وہ، وہ باتیں ہیں جو اپنی ضروریات مباحہ کے متعلق ہیں۔ مباح کا حکم یہ ہے کہ نہ اسمیں فی نفسہٖ ثواب ہو نہ عذاب اگر وہ ذریعہ بن جائے طاعت کا تو موجب ثواب ہے اور اگر ذریعہ بن جائے گناہ کا تو موجب عذاب ہے۔ تیسری قسم وہ باتیں ہیں جو گناہ ہیں جیسے غیبت، جھوٹ، طعنہ، جھوٹی گواہی وغیرہ وغیرہ۔

ہماری گفتگو کا حال

ہم اس دوسری اور تیسری قسم میں یعنی مباح اور گناہ میں زیادہ مشغول ہیں

---

① اس مادہ منویہ کا جسم سے خارج نہ ہونا صحت کے لیے نقصان دہ ہے ② بھلائی سے روکنا ہے ③ بیکار کام
④ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کام چھوڑ دو ⑤ بیکار کام ہوا ⑥ تقویٰ

اور پہلی قسم کی اگر کبھی توفیق ہوتی بھی ہے تو اسکو بھی خراب کر لیتے ہیں کیونکہ مدار نیت پر ہے ہم لوگ قرآن حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اسمیں بھی صحیح نیت نہیں ہوتی الا ما شاء اللہ اپنی بدنیتی سے ہم وہ کیا کرایا کام بھی غارت کر لیتے ہیں۔ جیسے میں وعظ کہہ رہا ہوں ظاہر میں تو یہ اچھا کام ہے مگر مجھے تو اس میں بھی خطرہ لگ گیا ہے ہمارے اعمال کا خدا ہی حافظ ہے اگر ہماری طاعت پر گرفت نہ ہو تب بھی ہم بڑی کامیابی سمجھیں ثواب تو بہت دور ہے یہ حالت ان اعمال کی ہے جن کو طاعت سمجھا جاتا ہے کہ انکی بھی حقیقت دیکھی جائے تو گناہ ہی نکلتی ہے پھر ان کاموں کا تو کیا حال ہوگا جو گناہ ہی گناہ ہیں کہ صورت بھی ان کی گناہ ہے اور حقیقت میں تو گناہ ہیں ہی۔ جب ہمارے زبان کے وہ اعمال بھی بعض اوقات گناہ ہوئے جن کو طاعت سمجھا جاتا ہے تو مباح کا حال معلوم جو خود طاعت بھی نہیں بلکہ نیت خیر سے طاعت ① ہوسکتا تھا۔ جب ہماری صریح طاعات ہی تباہ اور برباد ہیں تو افعال محتمل الطاعت کو طاعت ② کیسے سمجھا جائے اور گناہ تو گناہ ہے ہی تو ہماری زبان کے سارے اعمال گناہ ہی گناہ ہوئے۔ دیکھئے ہم لوگ کس قدر گناہوں میں مبتلا ہیں دن رات میں کوئی وقت ایسا نہیں جس میں گناہ نہ ہوتا ہو کیونکہ زبان تو ہماری کسی وقت بھی نہیں رکتی نیت ہماری خراب رہتی ہے۔ خیر میں طاعت اور محتمل الطاعت کے گناہ ہونے کے دعوے کو چھوڑ کر کہتا ہوں کہ یہی غور کر کے دیکھئے کہ آجکل ہماری زبانوں سے کثرت سے کیا نکلتا ہے۔

جھوٹ کا وبال

بس غیبت یا جھوٹ، جھوٹ کی مذمت میں وارد ہے کہ جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو رحمت کا فرشتہ اس سے ایک میل دور بھاگ جاتا ہے یہ کتنی سخت بات ہے آدمی کا جیسے وجود رحمت کا محتاج ہے ایسے ہی بقا بھی رحمت کی محتاج ہے آپ کے سارے کام جن کو آپ بنتا ہوا دیکھتے ہیں سب حق تعالیٰ کی رحمت سے بنتے ہیں ہر ہر کام پر فرشتہ متعین ہے اگر ذرا دیر کو وہ کام چھوڑ دے تو آپ کا سارا کام بند ہو جاوے اور انسان کی بقا نہ رہے۔

---

① فرمانبرداری میں شمار ہوسکتا ہے ② ایسے افعال جن میں تابعداری کا احتمال ہو

فرشتۂ رحمت کا کام

دیکھئے آپ لقمہ نگلتے ہیں اس میں حق تعالیٰ کی کس قدر رحمت ہے لقمہ کا منہ میں سے حلق میں جانا کس قدر تعجب کی بات ہے کیونکہ وہ لقمہ پہلے مجریٰ نفس ① کے منہ پر گزرتا ہے اور اسکے پیچھے مجراء طعام ہے ② جس میں وہ کس صفائی کے ساتھ چلا جاتا ہے کہ ایک ذرہ برابر کھانا یا ایک قطرہ پانی مجری نفس میں جانے نہیں پاتا یہ کام بہت ہی عجیب ہے، مگر دیکھئے ساری عمر کھاتے پیتے گزر جاتی ہے کبھی یہ خبر نہیں ہوتی کہ مجری نفس کدھر ہے اور مجری طعام ③ کدھر ہے آخر یہ کام کون کرتا ہے صاحب وہی فرشتے رحمت کے یہ کام کرتے ہیں جب تو اس صفائی سے ہوتا ہے۔ کبھی خدا تعالیٰ کی قدرت دکھانے کے لئے وہ فرشتہ اپنا کام چھوڑ دیتا ہے تو پانی یا کھانا سانس کے راستے میں چلا جاتا ہے پھر دیکھئے کیا حالت ہوتی ہے اسی کو پھندہ لگنا کہتے ہیں بعض لوگ اس میں فوراً مر گئے ہیں۔ تو یہی رحمت کے فرشتے جو آپ کے کام بناتے ہیں جھوٹ بولنے سے ایک میل ہٹ جاتے ہیں یہ قدرت خدا ہے کہ جھوٹ بولنے والا اس وقت ہلاک نہیں ہو جاتا حق تعالیٰ کو پردہ رکھنا ہے۔ اس واسطے گناہ کا نتیجہ اسی وقت نہیں دکھلاتے ہاں کبھی دکھلا بھی دیتے ہیں تاہم اس فرشتہ کا ہٹ جانا کس قدر خطرناک ہے۔

جھوٹ کا نقصان

اور جھوٹ کس قدر بری چیز ہوئی کہ رحمت خداوندی اس سے ایک میل دور ہو جاتی ہے نیز اُس میں ایسی گندگی ہے کہ فرشتہ اسی سے بھاگتا ہے فرشتے حق تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں ان کو تکلیف پہنچانا خود ایک مستقل برائی ہے۔

جھوٹ کی مختلف صورتیں

خصوصاً وہ جھوٹ جو حق العبد کے متعلق ہو جیسے جھوٹی گواہی دیکر کسی کا حق مار دینا کہ یہ تو ایسا گناہ ہے کہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ صاحب حق ہی نہ معاف کرے آجکل یہ حالت ہے کہ بعض لوگوں نے گواہی دینے کا پیشہ کرلیا ہے چار آنہ

---

① سانس کی نالی پر سے گزرتا ہے ② کھانے اور غذا کی نالی ③ پتہ نہیں ہوتا کہ سانس کی نالی کونسی ہے اور غذا کی کونسی

پیسہ میں بھی جھوٹی گواہی دیدیتے ہیں کس قدر بیوقوفی ہے کہ چار آنہ کے پیچھے جہنم مول لیتے ہیں بعض جگہ اس حرکت سے یہ نوبت ہوئی کہ حکام کو معلوم ہوگیا کہ فلاں فلاں گواہی کا پیشہ کرتے ہیں ان کو مردود الشہادت ① کردیا اور کچہری کے احاطہ میں آنے کی ان کو ممانعت کردی خسر الدنیا والآخرة ② دین میں تو مردود تھے ہی دنیا میں بھی ایسی پھٹکار پڑی کہ ہر شخص ان سے نفرت کرتا ہے اصل بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کو دین کی پرواہ ہی نہیں بعض دفعہ ایسی غلطی سے گناہ مول لیتے ہیں جس میں کچھ مجبوری بھی نہیں ہوتی مثلاً سودے کے دام گاہک کو غلط بتلا دیئے کہ میرا اتنے کا پڑتا ہے اس گناہ میں سوداگر بہت ہی مبتلا ہیں اور وجہ اس کی صرف ناواقفیت ہے سوداگروں کو چاہئے کہ خرید بتلا کر کبھی معاملہ نہ کریں کیونکہ اسمیں کمی زیادتی بتلانا صریح جھوٹ ہے اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں کہ سو ۱۰۰ کی چیز کے دوسو ۲۰۰ لے لو۔ اپنے مال کی جو چاہو قیمت لے لو اختیار ہے ہاں جب اکنّی روپیہ ③ ٹھہر جائے تو اس وقت واقعی پڑتا بتلا دینا چاہئے اس میں اگر کم وبیش ہوگا تو جھوٹ ہوگا اس مسئلہ میں بعض سوداگروں نے ایک چالاکی کی ہے وہ یہ کہ گھر کے گھر میں کئی دفعہ اس مال کی بیع کرلی ایک دفعہ اپنی بیوی سے نفع بڑھا کر فرضی بیع کرلی پھر بیوی صاحبہ نے بہو صاحبہ سے معاملہ کرلیا پھر بہوجی نے اصل مالک سے بیع کرلی دونوں دفعہ میں اگر اکنّی روپیہ بھی پڑ گیا تو اصل پڑتے پر دو بڑھ گئے وران کے نزدیک خریدار سے یہ کہنے کی گنجایش ہوگئی کہ ہم کو یہ مال اتنے میں پڑا ہے، مگر وہ یاد رکھیں کہ اس ترکیب سے گناہ پھر بھی سر رہتا ہے کیونکہ خریدار تو دِساور ④ کی خرید سے تمہارا پڑتا پوچھنا چاہتا ہے اس کو گھر کی فرضی خرید وفروخت کا پڑتا بتلانا محض مکروفریب اور دغابازی ہے ⑤ یہ محض ظاہر میں ایک منصوعی ترکیب ہوگئی مگر حق تعالیٰ پر تو سب روشن ہے اصل حقیقت لم اس کی خداع ہے وہ بجنسہٖ ⑥ باقی ہے۔

---

① ان کی گواہی ناقابل قبول قرار دیدی ② دنیا بھی برباد آخرت بھی برباد ③ جب گاہک سے یہ طے ہوجائے کہ ایک روپے پر ایک آنہ نفع لوں گا تو پھر اصل قیمت بتانی پڑے گی کہ کتنے کا خریدا تھا اور کتنے کا بیچ رہا ہے ④ خریدار تو یہ پوچھ رہا ہے کہ منڈی سے تمہاری خرید کتنے کی ہے ⑤ گھر میں جو فرضی خرید وفروخت کی ہے اس میں کتنے کا پڑا ہے، یہ بتانا جھوٹ ودغابازی ہے ⑥ اس کی اصل وجہ دھوکہ دینا ہے جو اپنی ذات سے یہاں موجود ہے۔

کارہا با خلق آری جملہ راست　　با خدا تدبیر و حیلہ کے رو است
کا رہا اد ر است باید داشتن　　رایت اخلاص و صدق افراشتن ①

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے اس تدبیر سے اپنا تو دل خوش کر لیا لیکن یہی فعل دوسرا آپ کے ساتھ کرے تو آپ کو گوارا ہوگا یا نا گوار؟ ضرور نا گوار ہوگا۔

مقدار نفع

سیدھی بات یہ ہے کہ اس چکّر میں کیوں پڑے پیسہ کی چیز روپیہ میں بیچو پڑتے کا نام کیوں لو بعضے جاہل اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ زیادہ نفع لینے کو حرام سمجھتے ہیں افسوس ہمارے بھائیوں نے جائز کو نا جائز کر رکھا ہے اور نا جائز کو جائز نفع جتنا چاہو لے لو شرعاً جائز ہے یہ اور بات ہے کہ دنیا کا نقصان ہے کہ جب لوگوں پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ یہ نفع زیادہ لیتے ہیں تو وہ ان سے معاملہ کرنا بند کر دیتے ہیں تھوڑے نفع کی تجارت زیادہ چلتی ہے سو یہ دنیا کا نقصان ہے مگر شریعت نے اختیار دیدیا ہے کہ چاہے جتنے داموں میں بھی بیچو جائز ہے لیکن جب پڑتے کا نام آ گیا یا کوئی مقدار نفع کی مقرر ہوگئی تو اس میں ایک پیسہ اور ایک کوڑی زیادہ ہونا بھی جھوٹ ہوگا اور جھوٹ کی وہ قسم ہوگی جس میں حق العبد کا بھی گناہ ہوگا اول تو جھوٹ خود ہی ایسا گناہ ہے کہ جس سے رحمت کا فرشتہ ایک میل ہٹ جاتا ہے اور اس جھوٹ کو تو کیا کہا جائے جس میں حق العبد بھی مارا جاتا ہے یاد رکھئے یہ جھوٹ بدون صاحب حق کے معاف کئے معاف نہ ہوگا۔ ایک گناہ تو زبان کا یہ ہوا۔

غیبت کا نقصان

اور ایک گناہ زبان کا غیبت ہے جس میں ہم لوگ اس قدر مبتلا ہیں کہ خدا کی پناہ خاص کر مستورات میں تو یہ مرض بہت ہی زیادہ ہے بیبیوں کیلئے تو یہ گناہ طبیعت ثانیہ ہو گیا ہے حتی کہ ان کو یہ بھی احساس نہیں رہا کہ غیبت کچھ بری چیز ہے یا غیبت کیا چیز ہے یہاں تک کہ اگر کسی بی بی کو غیبت پر ٹوکا جائے تو جواب دیتی ہیں کہ اس میں غیبت کی کیا بات ہے میں تو اسکے منہ پر کہدوں گویا غیبت کی تعریف انھوں نے یہ سمجھ رکھی ہے کہ

① جبکہ مخلوق کے ساتھ معاملات درست رکھنے کا حکم ہے تو اللہ تعالیٰ سے حیلے بہانے کرنے کب درست ہوں گے؟ اللہ ہر کام کو اچھی بری نیت سے کرنے کو خوب جانتا ہے۔

پیچھے وہ بات کہی جائے جو منہ پر نہ کہہ سکیں اور کہہ سکنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ انکا مقابلہ نہ کر سکے حالانکہ ایک معنی نہ کہہ سکنے کہ یہ بھی ہیں کہ منہ پر کہنا اس کو ناگوار ہو صحیح معنی یہ ہیں مگر عورتوں نے یہ معنی پڑھے ہی نہیں بلکہ انھوں نے تو یہ معنی لے لئے ہیں کہ ہم کہہ سکیں اور وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکے اور ہم سے جیت نہ سکے خواہ اس وجہ سے کہ یہ اس قدر زبان دراز ہیں کہ ان سے کوئی جیت ہی نہیں سکتا یا کسی دباؤ کی وجہ سے کہ دوسرا آدمی چھوٹا ہے اور یہ بڑے سمجھے جاتے ہیں پھر خواہ یہ چھوٹا بڑا ہونا واقعی ہو یا وہمی اور خیالی ہو اور اگر واقعی چھوٹا ہونیکے سبب تمہارا مقابلہ بھی نہ کر سکتا ہو تو کیا اسکے یہ معنی ہیں کہ ہر بڑا آدمی چھوٹے آدمی کو جو کچھ بھی کہہ لے جائز ہے؟ اگر یہی ہے تو کل کو یہ کہا جائیگا کہ چھوٹے پر بڑا آدمی جو ظلم چاہے کرلے وہ بھی جائز ہے تو کل کو ظلم کو بھی جائز کر دینا اور ظاہر ہے کہ ظلم کا جائز ہونا یقیناً غلط ہے تو ایسے ہی یہ خیال بھی غلط ہے کہ زبان زور آدمی جو کچھ زبان سے کہہ لے سب روا ہے ایسے آدمی کو چاہئے کہ ذرا کلکٹر صاحب یا جج صاحب کو دو چار گالیاں سنادے جب ہم دیکھیں کہ زبان زوری کچھ جرم کو ہلکا کرتی ہے یا نہیں۔ صاحبو! خدا تعالیٰ کے یہاں حقوق کے اندر بڑا چھوٹا کوئی نہیں ہے ایک بادشاہ اور ایک بادشاہ اور ایک فقیر اور ایک گدا اور ایک امیر اور جوان اور بوڑھا سب برابر ہیں ایک پیسہ اگر فقیر نے امیر کا مارلیا یا امیر نے فقیر کا مارلیا تو دونوں برابر ہیں۔ صاحبو! یہ تو بہت ہی موٹی سی بات ہے کچھ شریعت کیساتھ خاص نہیں۔ اہل دنیا کے قانوں کو دیکھئے کہ کوئی قانون بھی ایسا نہیں جو حقوق میں سب کی برابری کا قائل نہ ہو۔ دیکھئے ریل میں دو پیسہ کا ٹکٹ لئے بغیر کوئی سفر کرے تو اس پر کیسا مواخذہ ہوتا ہے حالانکہ ریلوے کمپنی کے نزدیک دو پیسہ کیا چیز ہیں بلکہ دو روپے اور دو سو روپیہ بھی کوئی چیز نہیں مگر عدالت میں کوئی عذر بھی نہیں چلتا خواہ امیر ہو غریب اُس سے دو پیسہ وصول کرائے جاتے ہیں بلکہ مع جرمانہ کے اور اس حرکت پر امیر کو زیادہ ملامت ہوتی ہے کہ میاں دو پیسہ کیلئے منہ کالا کیا ایسے ہی جس وقت عدالت خداوندی میں غیبت کرنے والا اور صاحب حق کھڑا کیا جاویگا تو کیا آپ کو امید ہے کہ یہ عذر اس کا چل جائے گا کہ میں اسکے منہ پر بھی کہہ دیتا اس لفظ پر تو ایک اور جرم قائم ہو جائیگا جس کا نام غفلت عن العلم ① ہے کہ آپ نے دنیا میں کسی سے پوچھا بھی نہیں

① علم سے بے پرواہی۔

کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صاحبو! خدا تعالیٰ کے یہاں حساب کے وقت جیتنا بڑا مشکل ہے بلکہ دنیا میں بھی کوئی جرم کر کے بہت کم جیتتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس شخص کو دلائی جائیں گی اور یہ کورا رہ جائے گا① اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ وقت کیسا ہوگا اسوقت روپیہ پیسہ رشتہ قرابت کچھ بھی نہ رہیں گے۔ فقط نیکیوں کی پوچھ ہوگی اس وقت غیبت کرنے والے کی کس قدر افسوس ناک حالت ہوئی کہ کتنی محنت اور مجاہدہ سے تو کچھ نیکیاں کمائی تھیں اور ایک گناہ بے لذت کی بدولت چھن گئیں ذرا اس حالت کو پیش نظر کر کے دیکھیے پھر کسی کو غیبت کرنے کی ہمت ہوسکتی ہے اگر یہ حالت اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے تو غیبت کرنے والا زباں کا ٹکر بیٹھنے کو پسند کرے اور کبھی غیبت کی راہ نہ چلے۔

غیبت میں انہماک

مگر جس درجہ یہ گناہ برا ہے اُسی درجہ مسلمانوں کو اس میں انہماک ہے خاص کر بیبیوں کی تو یہ غذا ہی ہے۔ زبان کے گناہوں کے نمبر بہت سے ہیں اس وقت ایک ایک کی تفصیل اور پھر ایک ایک کے جزئیات کی تفصیل کیسے ہوسکتی ہے؟ لہٰذا بہت مختصر عرض کرتا ہوں۔ غیبت کے متعلق تو کچھ کلام کو طول ہو ہی گیا وجہ یہ ہے کہ غیبت کے متعلق جب کبھی بات منہ پر آجاتی ہے تو کچھ نہ کچھ طول ہو ہی جاتا ہے کیونکہ یہ بدترین گناہ ہے اور ایسا کثیر الوقوع ہے کہ

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

حسنش کی جگہ قبش کہنا چاہئے۔ نہ قبش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں۔ مسلمانوں میں اسکی کوئی انتہا ہی نہیں رہی عام وخاص عالم اور جاہل مرد وعورت چھوٹے بڑے سب اس میں مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ۔

غیبت کی مثال اور اس کی سزا

اسکے متعلق قرآن شریف میں تو یہ آیت ہے وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُم بَعْضًاۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُۚ ② ۔یعنی کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے، یہ حکم بھی منع کے لیے کافی تھا مگر اس کو ایک گندی مثال سے مؤکد فرمادیا جو نا گوار طبعی ہے تا کہ غیبت سے ایسی نفرت ہوجائے جیسی اُس مثال میں

① خالی رہ جائے گا ② الحجرات: ۱۲۔

ہے مثال یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے اول تو مردار ہی سے نفرت ہوتی ہے پھر اپنے بھائی کا گوشت یہ کیسی گندی مثال ہے اسکا تصور کرنے کے بعد تو غیبت سے ضرور ہی نفرت ہو جائیگی جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ چونکہ موجود نہیں ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ اس غیبت کا جواب کچھ نہیں دے سکتا ہے جیسے مردہ کہ وہ بھی مدافعت نہیں کرسکتا اور اس بنا پر اس کا گوشت کھانا عقلاً وطبعاً مکروہ ہے لہٰذا مثال میں غیبت کو مردہ کا گوشت کھانا بتلایا گیا کہ وہ بھی عقلاً وطبعاً مکروہ ہے۔

اور حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میں نے شب معراج میں کچھ آدمی دیکھے کہ وہ اپنے منہوں کو اپنے ہاتھوں سے نوچ رہے تھے اور ناخن ان کے تانبے کے تھے اور وہ غیبت کرنیوالے تھے۔ دیکھئے غیبت کس قدر بری چیز ہے آخر ہم جب ایمان رکھتے ہیں تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے کا کچھ تو اثر ہونا چاہئے کبھی تو یہ خیال آنا چاہئے کہ گناہ کا انجام یہ ہوگا دنیا کی ذراسی بھی تکلیف نہیں جھیلی جاتی تو یہ عذاب کیسے اٹھائیں گے؟۔

غیبت کا دنیاوی نقصان

اور صاحبو! اگر سوچو اور غور کرو تو دنیا کا نفع بھی تو غیبت میں کچھ نہیں ہے بلکہ لطف معیشت جاتا رہتا ہے اسواسطے کہ جو باتیں بطور غیبت بیان کی جاتی ہیں وہ اکثر اوقات کل جھوٹی ہوتی ہیں یا زیادہ حصہ ان کا جھوٹ ہوتا ہے اور دراصل پیچھے کہنے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اسمیں کچھ باتیں بے اصل ہوتی ہیں جو سامنے نہیں کہی جاسکتیں تجربہ کر لیجئے کہ دو آدمیوں کو سامنے بٹھلایئے اور غیبت کرنے والوں کو اطمینان دلا دیجئے کہ اسوقت یہ شخص تیرا کچھ کر نہیں سکے گا۔ تو نے جو باتیں کل کہی تھیں وہ اسکے سامنے دُہرادے انشاء اللہ ہرگز بعینہ وہ باتیں نہ کہہ سکے گا جس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں کچھ باتیں غلط بھی شامل تھیں جن کو غیبت کردہ کے سامنے زبان پر لانے کی ہمت نہیں ہوسکتی تو جب ہر غیبت میں کچھ باتیں غلط بھی شامل ہوتی ہیں اور بات چھپتی ہے نہیں اسکی خبر اس شخص کو بھی کسی راوی کے ذریعہ سے پہنچ جاتی ہے کہ فلاں شخص نے فلاں مجلس میں میری نسبت ایسی باتیں کہیں کچھ تو اس غیبت میں ہی بے اصل باتیں تھیں اور کچھ اس میں یہ راوی اضافہ کرتا ہے اور کچھ یہ بھی قاعدہ ہے کہ اپنے عیب کی باتیں اپنے آپکو سچی بھی

جھوٹی معلوم ہوتی ہیں اور دوسرے کی جھوٹی بھی سچی معلوم ہوتی ہیں اسلئے غیبت کرنے والے نے تو مظنون ① باتوں کو بھی یقینی کر کے بیان کیا اور خود اس شخص نے جس کی غیبت کی گئی تھی اپنے متعلق تاویل کر کے یا اپنے ساتھ حسن ظن کر کے بالکل بے اصل اور لاشئ اور غیر واقعی سمجھا اس واسطے یہ خیال کر لیا کہ مجھ میں کچھ عیب ہوں بھی مگر غیبت کرنیوالے نے بہت زیادتی کی اتنی باتیں اُسے بھی نہیں کہنی چاہئے تھیں اور جب اُس نے زیادتی کی تو مجھ کو بھی مکافات میں اسکی غیبت کرنا روا② ہے اور اگر کچھ باتیں غیر واقعی بھی ملا دوں تو کیا حرج ہے جبکہ اس نے بھی ایسا ہی کیا ہے تو میں کیوں نہ کروں اب اگر اس نے ایک غیبت کی تھی تو اس نے دو کیں (یہ حالت بھی ان دو شخصوں کی ہے جو سمجھدار ہوں اور غصہ میں بدحواس نہ ہو جاتے ہوں ورنہ آجکل اس کی پروا کہاں کہ راوی کی روایت صحیح ہے یا غلط؟ اور اس نے غیبت کی بھی ہے یا نہیں اور کی ہے تو کوئی بات واقعی کہی یا غیر واقعی اور ہم کو کتنی باتوں سے مکافات کرنی چاہئے۔ اب تو اگر کان میں بھنک بھی پڑ جائے کہ کوئی شخص ہماری برائی کرتا تھا تو زبان کیا ہاتھ پیر بھی قابو میں نہیں رہتے اور سر پھوڑنے کی نوبت آجاتی ہے۔ سب دن رات کی دیکھی ہوئی باتیں ہیں مستورات کی چخاچخی آپ دیکھیں تو اسی قبیل سے نکلے گی۔

---

① ظنی باتوں کو بھی یقینی کہہ کر بیان کرتے ہیں ② غیبت کرنا جائز ہے۔

اخبار الجامعۃ

ماہ ستمبر اکتوبر 2025

اسفار حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی

❁ 26 ستمبر: حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ العالی نے منچن آباد شاہی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

بعد نمازِ عشاء جامعہ صادقیہ عباسیہ محفل حسن قراءۃ میں تلاوتِ قرآن کریم فرمائی۔

❁ 5 اکتوبر: جامعہ ہٰذا میں پروفیسر محمد احمد فاروقی پی ایچ ڈی جیالوجی کامسیٹس یونیورسٹی لاہور نے طلباء واساتذہ کرام سے وسائلِ ارضیات کے عنوان پر خطاب فرمایا۔

❁ 10 اکتوبر: حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب نے جامع مسجد منصورہ عالمی محفل قراءۃ میں بعد نماز جمعہ تلاوت فرمائی۔

❁ 11 اکتوبر: مولانا عبدالحمید زاہد کے مدرسہ شالامار باغ لاہور بعد نماز عشاء تحفظ ختم نبوت جلسہ میں تلاوت قرآن اور طلباء کو انعامات سے نوازا۔

❁ 12 اکتوبر: جامعہ رحمانیہ کلّیہ القرآن الکریم ماڈل ٹاؤن لاہور میں تقریب علوم القراءات آن لائن منعقد ہوئی جس میں عالم اسلام کے عرب مشائخ اور ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی (مدظلہ) نے قراءات کی تکمیل کرنے والے طلباء وطالبات سے خطاب فرمایا اور قاری احمد میاں تھانوی صاحب کی دُعا سے تقریب کا اختتام ہوا۔